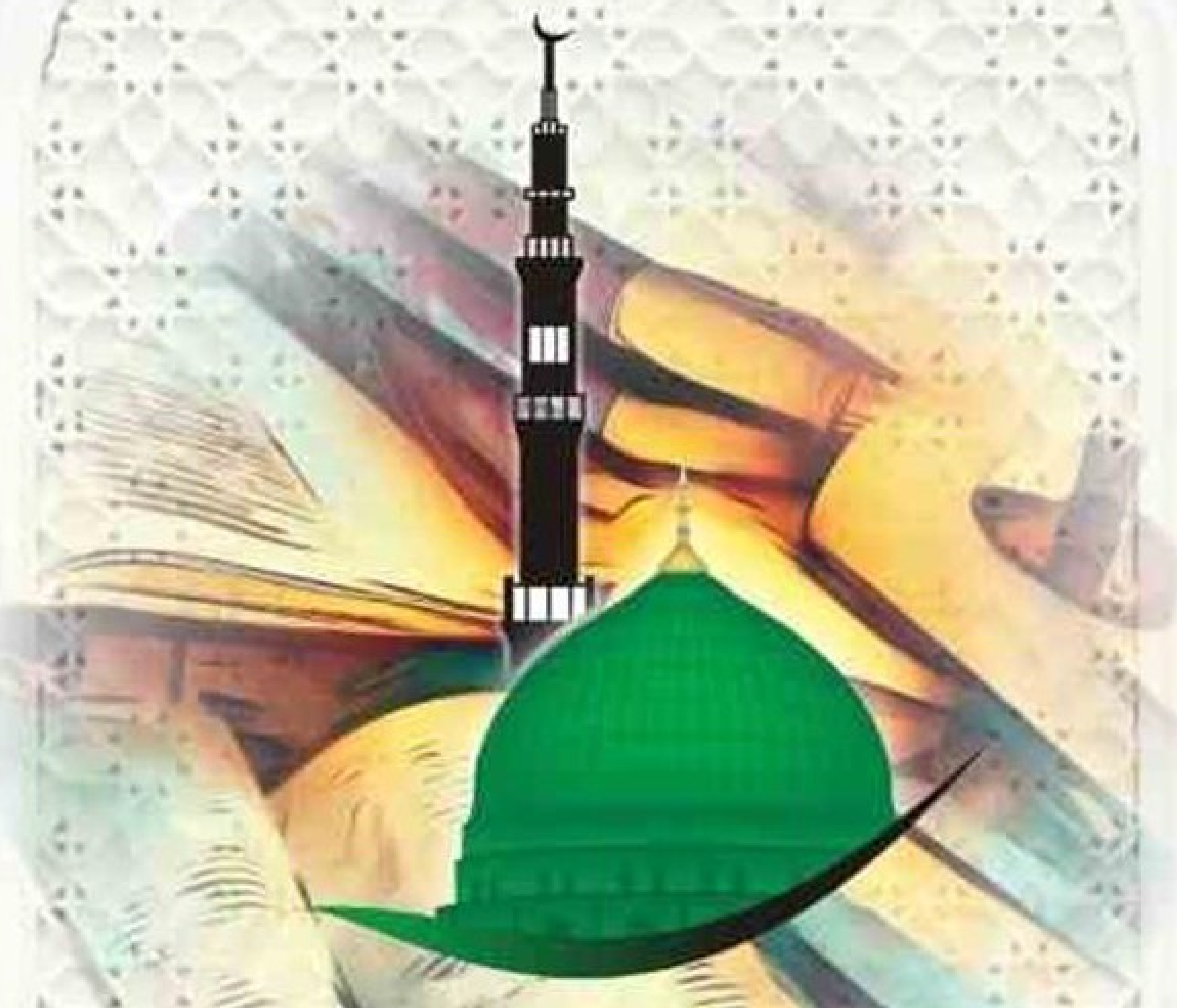
نعت گوئی: ہیئت، اسلوب اور موضوع

(تحقیق و تنقید)



اکرم کنجاہی

بسم الله الرحمن الرحيم

نعت گوئی: ہیئت، اسلوب اور موضوع

کتاب بہترین ساتھی ہے، اس کی حفاظت کیجئے

زیرِ مطالعہ کتاب محترم اکرم کنجاہی کے ایما پر شائع کی گئی ہے اور اس کے جملہ حقوق اور ذمہ داری انہی کو متحسن ہے۔ادارہ اردوسخن ڈاٹ کام کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قارئین تک بہترین اور اغلاط سے پاک ادبی مواد پہنچایا جائے اور اس ضمن میں ہر امکانی کوشش کو بروئے کار لایا جاتا ہے تاہم غلطی کی نشاندہی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے تا کہ آئندہ اشاعت میں اس کی درستی کی جائے۔

(ادارہ)

(تحقیق و تنقید)

نعت گوئی: ہیئت، اسلوب اور موضوع

اکرم کُنجاہی

www.urdusukhan.com

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: ادارہ فکرو دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار لاہور

اکرم کنجاہی
کراچی (پاکستان)
فون: 0311-2027300

ناشر: اردو سخن پاکستان
استحقاق: تمام حقوقِ تصرف ''اکرم کنجاہی'' کی تحویل میں ہیں۔
نمودِ اول: 2023ء

کمپوزنگ:	اشفاق ایاز
اہتمام/سرورق:	ناصر ملک
طباعت:	شیر ربانی پریس، ملتان
تعداد کتاب:	پانچ سو
قیمت:	800 روپے (8 یورو، 10 ڈالر)

www.urdusukhan.com

اردو سخن

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: ادارہ فکر و دانش، الحمد پلازہ، اردو بازار لاہور

انتساب

برادرم پروفیسر شفقت رسول مرزا

اور

برادرم عتیق الرحمن صفی

کے نام!

حسنِ ترتیب

نعت گوئی: ہئیت، اسلوب اور موضوع

دنیا کے ہر ہر خطے میں آبا د اقوام کے اپنے مذہبی تصورات کے مطابق مقدس مذہبی گیت ہوتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ظہورِ قدسی سے پہلے یقیناً ایسے گیت رہے ہوں گے۔ ممکن ہے بتوں کی پوجا کے دوران پڑھے جاتے ہوں مگر وہ کلام تقریباً معدوم ہو چکا ہے۔ ظہورِ اسلام کے بعد دشمنانِ دیں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان کے منافی اشعار کہنا شروع کر دیئے۔ جس کے جواب میں اسلام کے اولین دور کے نعت گوؤں نے قصائد میں آقاؐ کی شان بیان کرنا شروع کی جو بعد میں باقاعدہ صنف نعت کہلائی۔ عربی فارسی اور دیگر زبانوں کا شاید ہی کوئی مسلمان شاعر ایسا ہو جس نے نعت کی صورت میں حضورؐ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار نہ کیا ہو بلکہ اکثر غیر مسلم شعرا نے بھی اس صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ مسلمان چھٹی صدی عیسوی میں اپنے انقلاب آفریں عقائد کے ساتھ عرب کی سرزمین سے نکل کر دوسرے علاقوں میں آباد ہوئے اور توحید و رسالت کا آفاقی پیغام دیتے رہے۔ ہر گزرتے زمانے کے ساتھ نعت نگاری میں نئے نئے مضامین کا اضافہ کیا۔ اُردو زبان اور نعت ہم عصر اور ہم عمر ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے جو مذہبی تصورات رائج تھے، اسلام میں اُن کی گنجائش نہیں تھی، اِس لیے مسلم شعرا نے مضامینِ نعت کے حوالے سے عربی و فارسی نعت گوئی اور قران و حدیث سے استفادہ کیا۔ سب سے پہلے سلطان قلی قطب شاہ کے دور میں نعت نے ایک الگ صنفِ ادب کی شکل اختیار کی۔ جب نعت نے غزل کی ہیئت کو پذیرائی بخشی تو کچھ فکری، ہئیتی و اسلوبیاتی

اشتراک کی وجہ سے لگے بندھے مضامین اور مخصوص لفظیات میں مقید ہوتی چلی گئی۔اکثر یہ بھی ہوتا کہ غزلیہ اشعار کے ساتھ ساتھ غزل میں نعت کے اشعار بھی در آتے۔نعت ہو یا غزل، اُس کا تعلق انسانی جذبات و احساسات کے ساتھ ہے لہٰذا کچھ استثنا کے ساتھ اکثر مضامین دہرائے جاتے ہیں مگر ارتقا کا عمل موضوعات میں وسعت پیدا کرتا رہتا ہے۔چوں کہ تخلیقات وہ شعری ہوں یا نثری قارئین کی توجہ اُس وقت تک حاصل نہیں کر پاتیں جب تک کہ اُن میں کوئی تازہ کاری اور جدت نہ ہو اور یہ نیا پن عمومی طور پر اسلوبِ بیاں سے آتا ہے ''ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں''۔اسلوب کسی تخلیق میں پیرہن کی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔تخلیق اتنی ہی خوب صورت اور دلکش ہوگی جتنا دیدہ زیب اُس کا ملبوس ہوگا اور اِس چیز کا انحصار عمدہ کپڑے کے ساتھ ساتھ خیاط کی مہارت پر ہوتا ہے۔اِس سلسلے میں دو باتیں اہم ہیں۔ایک طرف تو تخلیق خود راہنمائی کرتی ہے کہ اُس کے لیے کون سی ہیئت مناسب ہے اور دوسری طرف تخلیق کار کو بھی کچھ ہیئات زیادہ مرغوب ہوتی ہیں جن میں اُسے اظہار کی ہنرمندی حاصل ہوتی ہے۔اِس طرح موضوع ہیئت اور زبان و بیان سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور تخلیق میں بے ساختہ پن محسوس ہوتا ہے۔یوں ناقدین کے لیے یہ مشکل بات ہوتی ہے کہ کس ایک کو دوسرے پر فوقیت دیں۔کیا کہا گیا ہے اور کس رنگ میں کہا ہے دونوں اپنی جگہ اہم ہیں۔

نعت کا لفظ شاعری کی کسی مخصوص ہیئت کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ موضوع کا معاملہ ہے یعنی نبی ﷺ کی ثنا شاعری کی کسی بھی ہیئت میں بیان کی جا سکتی ہے مثلاً غزل، نظم آزاد، نظم معریٰ، سانیٹ، ہائیکو، قصیدہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مسدس، مخمس، اور دوہے وغیرہ۔اِس لیے ہمارے شعرا نے سبھی اصنافِ شعر میں نعتیں کہنے کی سعادت حاصل کی ہے اور آج نعتوں کا جتنا بڑا ذخیرہ عربی فارسی اور اردو میں موجود ہے وہ کسی اور زبان میں نظر نہیں آتا۔

صنفِ نعت کئی اعتبار سے دیگر اصنافِ ادب سے مختلف ہے۔اِس کا اپنا ایک منظر نامہ ہے، اپنی فضا ہے، اپنے موضوعات اور اپنا اسلوبِ بیاں ہے، اپنی ترکیبیں اور استعارے

ہیں، اپنی تلمیحات اور تشبیہات ہیں۔ اِس لیے ہر شاعر نعت نگار ہو جائے ممکن نہیں مگر نعت کا ایک بڑا خزانہ ہمارے ادب کا معتبر حصہ ہے۔ جو شخص بھی نعت گوئی کا ارادہ کرے پہلے عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے حوالے سے اپنے دل کو ٹٹولے اور پھر اِس موجود خزانے سے بھرپور استفادہ کرے تو یقیناً عطا اور عنایت ہوگی۔ نعتیہ فکر کے انمول موتی جھولی میں ڈال دیے جائیں گے۔

(۱)

ہئیت

نعت لوحِ جاں پر پھول بکھرانے کا نام ہے۔ یہ ادب کا تفاخر اور اقلیمِ شعروسخن کا سرمایۂ افتخار ہے۔ نعت کے ذریعے شعرا اپنے سرمدی جذبات کی ترسیل کرتے اور ایوانِ عشق ومحبت کی تکمیل کرتے ہیں۔ اللہ کی ہستی کے بعد حضور خاتم المرسلینؐ کی توصیف بیان کرنا افضل ترین عمل ہے۔ اللہ کریم اور اُس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور انسانوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اِس لیے امتِ مسلمہ کے شعرا نعت کی صورت میں پیغمبرِ اسلام کی ذات سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ نعت درحقیقت عشق ووارفتگی کا ایک تحفہ ہے۔ جو شعرا حضور عالی مقام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ خوب صورت ترین تحفہ حبیبِ کبریا کی خدمتِ اقدس میں پیش کرے۔ نعت گوئی کا تعلق چوں کہ بہت حد تک موضوع سے ہے اِس لیے اِس صنفِ ادب کے لیے ہیئت کی شکل میں اظہار کا کوئی سانچا مخصوص نہیں ہے۔ ہر نعت گو اپنے مزاج اور سہولت کے مطابق ہیئت کا انتخاب کرسکتا ہے۔ وہ اپنے جذبات واحساسات کو کسی بھی قالب میں ڈھال کر پیش کرسکتا ہے۔ نعت چوں کہ عشق ساگر میں غرقابی کا نام ہے۔ ہیئت سے زیادہ موضوع کا معاملہ ہے لہٰذا نعت گوؤں نے تقریباً سبھی اصنافِ شعر میں نعتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے جذبات کو سیراب کیا ہے۔

بھارت میں بھی مختصر نعتیہ نظموں کے علاوہ طویل نعتیہ نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔ قیصر الجعفری کی ایک طویل نعتیہ نظم ''چراغِ حرا''، امین صدیقی کی ایک طویل نظم ''تنزیل'' اور سلیم شہزاد کی سیرت پر منظوم نظم ''تزکیہ'' اور ''وہ لیلۃ القدر کا ستارا'' جو طویل تجرباتی نعتیہ نظمیں ہیں۔ ویسے اپنی خوب صورت اور منفرد نعتیہ نظموں کی وجہ سے مظفرؔ وارثی، نعیمؔ صدیقی، عبدالعزیز خالد، عمیقؔ حنفی، سید جمیل نقویؔ نے اردو نعت گوئی میں ایک درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے۔ عمیقؔ حنفی کی نظم 'صلصلۃ الجرس' عصرِ جدید میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ نعیم صدیقی کی ''گرداب و گہر'' بھی عمدہ نظم ہے۔ عبدالعزیز خالدؔ نے تو کئی طویل نظمیں 'منحمنا، فارقلیط، حمطایا، طاب طاب، ماذماذ، حاط حاط'' لکھی ہیں جن کے ذکر کے بغیر نعت گوئی کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔

نعتیہ دوہے

دوہا اِس حوالے سے غزل کے کافی قریب کہا جا سکتا ہے کہ ایک تو یہ غزل کے مطلعے کے طرح دو مصارع پر مشتمل ہوتا ہے جو ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ دوہا غیر مردف ہوتا ہے۔ غزل کا فنی امتیاز یہی ہے کہ اس کا ہر شعر مکمل مضمون لیے ہوئے ہوتا ہے۔ غزل کے مطلع اور دوہے میں سوائے تہذیبی وراثت اور عروض و بحر کے بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ پنجابی کے اشلوک کے طرح یہ بھی دو مصارع کا ایک شعر ہوتا ہے۔ اشلوک میں غالب طور پر حمدیہ، عارفانہ اور اخلاقی مضامین پیش کیے جاتے ہیں۔ پنجابی میں بابا فرید شکر گنج کے شلوک مشہور ہیں، جن میں اخلاقیات، عبادات اور تصوف کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دوہے میں بھی اگرچہ یہ مضامین ہوتے ہیں، مگر غزل کی طرح اِس میں داخلیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ شاعر عمومی طور پر اظہار و انکشافِ ذات کرتا ہے۔ قلبیہ کیفیات کی عکاسی کرتا ہے۔ ہندوستانی اصناف سخن میں دوہے کو وہی اہمیت حاصل ہے جو عربی اور فارسی میں غزل کو ہے۔ یوں دلچسپ بات یہ ہے کہ دوہا فنی اعتبار سے غزل کے بہت قریب ہے۔ دوہے کا

اختصاص یہ ہے کہ یہ خالصتاً برصغیر کی مقامی صنفِ ادب ہے۔ مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل وغیرہ عربی اور فارسی سے جب کہ سانیٹ، معریٰ، آزاد اور نثری نظم وغیرہ مغرب سے ہمارے ہاں متعارف ہوئیں۔ خاور چودھری کے نعتیہ دو ہے ملاحظہ کیجیے جو دو ہے کے معروف وزن (فعلن فعلن فاعلن، فعلن فعلن فاع)

من موہن دل دار وہ، مورے سر کا تاج
کالی کملی شاہ کی، جس کا ہر سو راج
پورب پچھّم رحمتیں، یگ یگ چمکے نام
اے مدنی سرکار جی، تم پر لاکھ سلام
شیتل کومل شبد ہے، جھرنوں جیسی بات
ہردے اپنا سالنا، دینا سب کا سات

پیارے نبی کی شان میں، مدحت کے کلمات
میں اور وصفِ مصطفیٰؐ، میری کیا اوقات
صلِ علیٰ کی چار سو، گونجی جے جے کار
اس دنیا میں آئے جب، نبیوں کے سردار
ان کا اک اک قول ہے، قرآں کی تفسیر
رب کے وہ محبوب ہیں، وہ ہیں بدرِ منیر

(فہیم بسمل)

تضمین

تضمین دراصل گرہ لگانے کا نہایت مشکل اور دشوار فن ہے۔ تضمین نگاری کی مختلف شکلیں شاعری میں رائج ہیں۔ لیکن بالعموم ''مخمس'' کی شکل میں تضمین لکھی جاتی ہیں۔ اس کو کما

حقہ برتنے کے لیے سخت محنت، ادبی ریاضت اور فنی مہارت کی ضرورت ہے۔ زیرِ تضمین شعر یا کلام کی گہرائی میں اتر کر شاعر کے خیال واسلوب کی پیروی کرتے ہوئے اس کے تمام مصرعوں کو ایک وحدت میں تبدیل کر دینا اور ایک شعر میں پے در پے تین ہم قافیہ مصرعے موزوں کرنا، کوئی آسان کام نہیں ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اب یہ فن دم توڑتا جا رہا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اِس لیے کہ تضمین کرتے وقت جس فنی اور فکری پختگی کی ضرورت ہوتی ہے، اب خال خال ہی ایسے صاحبانِ فن دکھائی دیتے ہیں جن کو وہ حاصل ہے۔ شعرا کے کلام کو پہلے سمجھنا اور پھر اُس کے پیدا کردہ مضامین میں اضافہ کرنا۔ پروازِ فکر میں کم از کم اُس معیار کو برقرار رکھنا جو اصل کلام میں شاعر نے قائم کیا ہے۔ اردو شاعری میں زمانۂ قدیم سے رائج ہے۔ الطاف حسین حالی، داغ دہلوی، امیر مینائی، علامہ اقبال اور صبا اکبر آبادی نے اس فن کو آگے بڑھایا۔

ہمارے عہد میں سب سے زیادہ تضمین ادبی پرچہ سہ ماہی ''شاعری'' کراچی کے مدیرِ اعلیٰ مرحوم سہیل غازی پوری نے کی ویسے تو اُن کے کوئی ۱۷ مجموعہ ہائے کلام شائع ہوئے مگر اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اُنہوں نے اپنے عہد کے تقریباً سبھی نامور شعرا کے کلام کی تضمین کی اور اُن کی کتاب ''تضمین'' کے نام سے ۴ جلدوں میں شائع ہوئی۔ سہیل غازی پوری نے کمالِ فن کا ثبوت دیتے ہوئے شعرا کے کلام میں نئے مضامین بھی پیدا کیے ہیں۔

فہیم بسمل ایک عمدہ قادرالکلام شاعر ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی اور علامہ اختر رضا خان ازہری کے کلام پر بڑی کامیاب تضمین لکھی ہے، جو فصاحت و بلاغت، عشق وعقیدت اور زبان و بیان کے حسن ولطف کا ایک دلکش مرقع ہے۔

تضمین برکلام اعلیٰ حضرت رضا بریلوی:

ان کے کرم نے دل سے سب غم مٹا دیے ہیں
ان کی ضیا نے رستے سب جگمگا دیے ہیں
لطف و عطا کے موتی ہر سو لٹا دیے ہیں

''ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل دیے ہیں کوچے بسا دیے ہیں''
لطف و کرم کا ان کے انداز ہے انوکھا
کونین میں نہیں ہے کوئی بھی ان کے جیسا
منگتا ہو کوئی مفلس یا تخت و تاج والا
''میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں، دُر بے بہا دیے ہیں"

تضمین برکلامِ حضرت اختر بریلوی:

اجالا دل کی وادی میں شہِ بدر الدجیٰ کر دیں
بہ نامِ گنبدِ خضریٰ عطا ایسی ضیا کر دیں
لعابِ پاک کو آقا مرے حق میں دوا کر دیں
''منور میری آنکھوں کو مرے شمس الضحیٰ کر دیں
غموں کی دھوپ میں وہ سایۂ زلفِ دوتا کر دیں
نہ کوئی سدھ رہے اپنی انہیں کے زمزمے گاؤں
خوشی حاصل ہو روحانی میں شیدا ان کا کہلاؤں
مدینے میں جو مرجاؤ حیاتِ دائمی پاؤں
''گلِ طیبہ میں مِل جاؤں، گلوں میں مل کے کِھل جاؤں
حیاتِ جاودانی سے مجھے یوں آشنا کر دیں

نثری نظمیہ نعت

ظہورِ قدسی سے پہلے عالمِ امکاں پہ اندھیرے مسلط تھے۔ انسان کے فکر و خیال زنداآلود

ہو چکے تھے۔ دلوں سے معبودِ حقیقی کا تصور مٹ چکا تھا۔ کوئی منزل تھی نہ رہنمائی کو چراغِ راہ۔ عقل و دانش کے دیپ بجھ چکے تھے۔ دین و مذہب سیکڑوں بتوں میں بٹ کے رہ گیا تھا۔ ظہورِ اسلام سے پہلے فضا مکدر ہو چکی تھی۔ خانہ بہ خانہ، کو بہ کو لات و منات کے چرچے تھے۔ زندگی خالقِ حقیقی، ربِ کائنات، مالک انس و جاں کی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ چاند سورج ضیا بار ضرور تھے مگر دلوں کی تاریکیاں مٹانے کو کوئی نہیں تھا، روحیں پیاسی تھیں۔ منتظر تھیں کہ کوئی حق و صداقت کا پیغام لے کر آئی۔ بیداد کا سکہ جاری تھا۔ ذاتِ معبودِ حقیقی وہم و گمان تھی۔ خودسری تھی، یزداں شناسی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ آدمیت تورات و انجیل کا درس بھول چکی تھی۔ آدمی ربِ مخلوقات سے بے خبر خود تراشیدہ اصنام کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ جبینِ ناز کا تقدس لٹا تا پھر رہا تھا۔ گویا فضا ہر اعتبار سے تیار تھی کہ اللہ کا پاک پیغمبر تشریف لائے اور خدائے یکتا کی پہچان کرائے۔ وہم و گمان کے پردوں سے نکال کر انسان کو یقین و ایقان کی وادیوں میں لے جائے۔

ایسے میں اللہ کی رحمت جوش میں آئی۔ بابِ اثر وا ہوا۔ امامِ انبیاً، امیرِ کارواں بن کر تشریف لائے۔ ہادئ امت کے طفیل انسان کو سیکڑوں خداؤں سے نجات ملی۔ کائنات کے ذرّے ذرّے کو حسنِ نظر ملا۔ کفر و باطل اور حق و صداقت کی پہچان ہوئی۔ بُت کدے ویران اور اللہ کریم کے گھر آباد ہوئے۔ بطحا کی خام خامِ شفا قرار پائی۔ شمس و قمر تو روشن تھے ہی، فکر و نظر کو روشنی ملی تو دل کی تاریکی نگری روشن و رخشاں ہوئی۔ ظلمات نے اپنی سیاہ چادر سمیٹ لی اور افق کی گود سے خورشیدِ سحر تاب اُبھرا۔ خواجۂ کونین، نور الہدیٰ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ تکمیل کو پہنچایا۔ شاعر نے خوب کہا ہے:

مصطفیؐ نے میرے مولا یہ کرم فرمائی کی
ہر زمانے کو خبر دی ہی تری یکتائی کی

(اکرم کنجاہی)

ایک نعتیہ نثری نظم ملاحظہ کیجیے جس میں شاعر نے سادگی، روانی اور فصاحت کے ساتھ ظہورِ قدسی کے مقاصد کے ساتھ ساتھ، خیر الامم کے پیغام اور اُسکے اثرات کو واضح کیا ہے۔آپؐ وہم وگمان سے نکالنےاور خدائے واحد سے جوڑنے کے لیے تشریف لائے۔ذاتِ پیغمبرؐ نے کائنات میں فکر ونظر کی وہ روشنی بانٹی اور وہ بشارتیں دیں، امید کے وہ حروف بانٹے کہ زندگی کی سانسیں بحال ہوگئیں۔گویا عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑنے لگا۔بلاشبہ آپؐ شہرِ علم اور منبعِ فصاحت و بلاغت تھے۔آپؐ نے سرزمینِ حجاز کے گلی کوچوں سے لے کر صحراؤں، ریگستانوں اور پہاڑوں میں علم وحکمت کے ایسے چراغ روشن کیے کہ جن کی ضیاباریوں میں ہر گم کردہ راہ کومنزل کا نشان ملا۔آپؐ ایک عظیم معلم تھے۔آپؐ کے الفاظ میں بے مثال تاثیر تھی کہ ہر بات سنتے ہی دل میں اُتر جاتی۔آپؐ نے گمراہی کے سارے پردے ہٹادیئے، ہر منظر واضح کردیا۔اللہ کریم کی پہچان دی۔انسان کو یزداں شناس کردیا۔

ہمارے نعت گوؤں نے مدحتِ رسول اللہؐ کے لیے نثری نظم کا بھی انتخاب کیا ہے۔اُردو میں نثری نظم کا ابتدائی تعلق بیسویں صدی کی پہلی اور دوسری دہائی سے ہے۔علامہ نیاز فتح پوری نے رابندر ناتھ ٹیگور کی ''گیتان جلی'' کا اُردو ترجمہ ''عرضِ نغمہ'' کے نام سے کیا تھا جو ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔''گیتان جلی'' ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تھی اور اُس کا پہلا انگریزی ترجمہ ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا تھا جس سے علامہ نیاز نے اُردو میں ترجمہ کیا تھا۔اِس سے بھی قبل، میر ناصر علی ''خیالاتِ پریشاں'' کے نام سے اسی نوعیت کی اپنی تحریریں شائع کرواچکے تھے کہ جن پر نثری نظم کا اطلاق ہوسکتا ہے۔جوش صاحب کا پہلا مجموعۂ کلام ''روح ادب'' کے نام سے ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا، جس میں نثری نظمیں بھی شامل تھیں۔حمایت علی شاعر لکھتے ہیں کہ ۱۹۲۴ء میں اُس وقت شعرِ منثور یا نظمِ منثور کی اصطلاح سامنے آئی جب علامہ نیاز فتح پوری نے ایک مصری شاعرہ آنسہ می کی چند نثری نظموں کے تراجم ''نگار'' میں شائع کیے اور اِس پر بحث کا آغاز ہوا۔۱۹۲۹ء میں ادبی مجلّے ''نیرنگِ خیال'' کے بانی مدیر حکیم یوسف حسن نے ''پنکھڑیاں''

کے نام سے کچھ تخلیقات جمع کر کے شائع کیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں کہ وہ تحریریں آج کی نثری نظمیں ہی تھیں۔ جن کو نثر لطیف کہنا مناسب ہے۔ ترقی پسند تحریک کے بانی دانشور، شاعر اور افسانہ نگار سجاد ظہیر کی نظموں کا مجموعہ ''پگھلا نیلم'' ۱۹۶۴ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ اِس مجموعے کو بہت سے ناقدین نثری نظم کا پہلا مکمل مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ خود سجاد ظہیر نے اُسے نثری نظموں کا مجموعہ نہیں کہا اور کتاب کے لیے صرف ''نظم'' کی اصطلاح استعمال کی جس پر اُن کے قریبی احباب نے بھی اعتراض اٹھایا۔

وزیر آغا نے ن م راشد سے ایک مکالمے کے دوران پوچھا کہ آپ نثری نظم کو شعری صنف کیوں مانتے ہیں؟ راشد نے دلچسپ جواب دیا کہ ''جب آزاد نظم کا آغاز ہوا تو شعرا اور قارئین اُس کے بھی شدید مخالف تھے مگر آج صورتِ حال مختلف ہے۔ مستقبل میں اگر لوگوں نے نثری نظم کو بھی شاعری کی صنف مان لیا تو میں کم از کم رجعت پسند تو نہیں کہلاؤں گا۔'' ظفر اقبال کا کہنا ہے: ''نثری نظم، موزوں نظم کے مقابلے پر زیادہ تاثیر کی متقاضی ہوتی ہے۔ ورنہ اُس میں اور ایک عام نثری تحریر میں فرق نہ ہوگا۔ مزید براں اُس میں زورِ بیاں اور وفور رہنا چاہیے تاکہ وہ اپنا جواز بن سکے۔ بصورتِ دیگر اُسے رعایتی نمبر دینا پڑیں گے۔''

سہل شعیب کی نعتیہ نثری نظم ملاحظہ کیجیے:

خدائے واحد
سے جوڑنے، غبارِ وہم سے نکالنے کے لیے
کسی زماں مکاں کے نقطۂ شب پر
پیغمبر.... مانند سحر
حرف حرف یقین بانٹتے ہیں
روشنی اپنے معنی خود متعین کرتی ہے
خواب کی سانس سانس میں امید دوڑنے لگتی ہے

زندگی آنکھیں ملتی، جی اٹھتی ہے
مرے رسولؐ
وہ شہرِ علم، وہ منبعِ شجاعت، وہ صاحبِ فصاحت
مرے رسولؐ
مکہ کے سنگلاخ پہاڑوں، میدانوں
مدینہ کی وادیوں، نخلستانوں میں
عشق کی ابجد سے تدبر کے اسباق پڑھاتے ہیں
جینا سکھاتے ہیں
اسباق۔۔۔
حرف حرف وہ تاثیر فراواں ہے
جس میں فکر کی تہذیب نمایاں ہے
تہذیب کی نئی تقویم، تاریخ کی نئی ترتیب
کے سب آثار چھلک رہے ہیں
کالی کملی کی اوٹ سے۔۔۔
سارے منظر بدل رہے ہیں
آپ مسکراتے ہی جا رہے ہیں
دشت بانوں کے مقدر منور ہوتے جا رہے ہیں (سہل شعیب ھمام)

نعتیہ آزاد نظم

انجمن پنجاب کے زیرِ اہتمام مشاعروں کا باقاعدہ آغاز ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ اِس انجمن کا اُردو ادب پر یہ بڑا احسان ہے کہ اِس کے تحت ہونے والے مناظموں میں ایک طرف تو

موضوعاتی نظمیں کہنے کا چلن عام ہوا تو دوسری طرف کرنل ہالرائیڈ کی ایما پر مولانا محمد حسین آزاد نے اُردو نظم میں ہیئت کے اعتبار سے معرا نظم کا تجربہ بھی کیا اور ایک اجلاس میں معرا نظم پر اپنا مقالہ بھی پڑھا۔ اسماعیل میرٹھی اور نادر کاکوروی بھی اُن کے ہم نوا ہوئے۔ ردیف قافیے کے بغیر نظم کا تجربہ اُردو میں پہلی بار ہوا تھا اور ابتدا میں شعرا کو اِس کے ساتھ ہم آہنگ ہونے اور اِسے قبول کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی۔ یہ وہ دور تھا جب مغرب میں بھی اظہار کے نئے اور لچک دار سانچے تلاش کیے جا رہے تھے۔۔ معرا نظم کے بعد، آزاد نظم اور نثری نظم وغیرہ کی ہیئت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آزاد نظم میں شعرا نے ردیف قافیے کی پابندی ختم کرنے کے ساتھ ساتھ بحر و وزن میں بھی کچھ آزادیاں تلاش کر لیں۔ نظم کی اِس ہیئت میں کوئی نہ کوئی بحر تو موجود ہوتی ہے مگر نظم کے مصارع میں ارکان کی تعداد کم یا زیادہ کی جاتی ہے۔ اِس کی ابتدا یورپ میں لافورگ اور پال ورلین نے کی تھی۔ اُردو میں محققین کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ۱۹۲۵ء میں تصدق حسین خالد نے اِس کا تجربہ کیا۔ ن م راشد اور میرا جی نے کافی ہیئتی تجربات کیے۔ آزاد نظموں پر مشتمل پہلا مجموعہ ''ماورا'' کے نام سے ۱۹۴۲ء میں راشد ہی کا سامنے آیا۔ اِس ہیئت کو فروغ دینے والوں میں فیض، مجید امجد، یوسف ظفر، مختار صدیقی، قیوم نظر کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

کاشف عرفان کی ایک آزاد نعتیہ نظم ملاحظہ کیجیے کہ جس میں اُنہوں نے یورپی اقوام کے اُس رویے کی مزحمت کی ہے کہ جو اُنہوں نے مسلمانوں کے محبوب آقا پیغمبرِ اسلام سے متعلق اختیار کیا ہوا ہے۔ کبھی فرانس، کبھی ہالینڈ اور کبھی امریکا میں اظہار کی نام نہاد آزادی کے نام پر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے بنا کر مسلمانوں کی دل آزاری کرتے ہیں۔ اُنہیں احساس ہی نہیں ہے کہ اللہ کے حبیب ﷺ مسلمانوں کی زندگی میں کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ مسیحی دنیا حضرت عیسیٰؑ ابنِ مریمؑ سے متعلق یا یہودی حضرت موسیٰؑ سے متعلق ہرگز اُس طرح نہیں سوچتے جس طرح ہم مسلم اپنے پیغمبر کی ہستی کا سوچتے ہیں۔ کاشف عرفان نے سادگی اور روانی کے ساتھ بغیر علامت،

استعارے یا شعری ترکیبوں کے ہر تصنع کے بغیر بیانیہ انداز اپنایا ہے۔نظم میں سرعتِ ابلاغ ہے،کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں۔

نعتیہ آزاد نظم :"مغرب سے براہ راست مکالمہ"

تمہیں معلوم ہے
تم نے ہمارے دوارب لوگوں کے
دل کو ٹھیس پہنچائی
ہمارے دوارب لوگوں کی آنکھیں
خون روتی ہیں
تمہیں معلوم ہے
یہ دوارب انسان اپنے جدامجد
باپ ،دادا، مائیں، بہنیں، بیٹیاں اس نام پر قربان کرتے ہیں
اسے دل میں بساتے ہیں
محبت عام کرتے ہیں
تمہیں معلوم ہے وہ رحمت اللعالمینؐ
لوگوں سے کتنا پیار کرتے تھے
غلاموں کو انہوں نے صاحب مسند بنایا تھا
عرب کے بے نوا کو جرأتِ اظہار بخشی تھی
تمہیں معلوم ہے
یہ دوارب انسان
دل کے طاقچوں میں
عشق کی شمعیں جلاتے ہیں

گھروں میں نور کی خاطر

پیمبر پر درود پاک کی محفل سجاتے ہیں

تمہیں معلوم ہے

یہ دوارب مسلم

برائے عزت وناموس سرور

گھر سے نکلے تو

تمہارا حال کیا ہوگا؟

ذرا سوچو

یہ تم نے چھارب لوگوں کی مشترکہ امانت پر،

ثقافت پر، مری تہذیب پر

بارود کا اک ڈھیر رکھا ہے

ذرا سوچو!

یہ کس بارود کو تم آگ دے بیٹھے؟

حالی کے بعد نعتیہ نظمیہ شاعری کا دور آیا۔ جس کا نقطۂ عروج علامہ اقبال کی شعر گوئی تھی۔ سیرت پاک ﷺ کو نعتیہ اشعار میں ڈھالنا بہت سے سخن وروں کا خواب رہا مگر پھر یہ سعادت حفیظ جالندھری کو نصیب ہوئی کہ میرو غالب اور انیس و دبیر کی طرح اُنکا شاہنامہ بھی گلی گلی اُن کی اپنی بنائی دھن میں ترنم سے پڑھا جانے لگا۔ بعد از اں کئی ایک صاحبانِ فکروفن نے یہ کام کیا اعجاز رحمانی اور علامہ جاوید القادری کا کام بھی بے حد اہم ہے۔

مسمط؛ مختلف اصناف

مسمط شاعری کی کوئی ایک صنف نہیں ہے بلکہ آٹھ مختلف ہیئتوں کا مجموعہ ہے۔ وہ آٹھ

ہئیتیں ہیں مثلث، مربع، مخمس، مسدس، مسبع، مثمن، متسع، معشر۔ مسمط کے لغوی معنی ہیں" پروئی ہوئی چیز یا موتیوں کو لڑی میں پرونا"۔ اگر نظم تین تین بندوں پر مشتمل ہو تو اسے مثلث، چار چار مصرعوں والی نظم کو مربع، پانچ پانچ مصرعوں کے بندوں پر مشتمل نظم کو مخمس اور چھ چھ مصرعوں والی نظم کو مسدس کہتے ہیں۔ سات سات، آٹھ آٹھ، نو نو اور دس دس مصرعوں کے بندوں پر مشتمل نظمیں بہت کم لکھی گئی ہیں۔

مسدس:

مسدس میں نعت گوؤں نے خوب نعتیں کہی ہیں۔ عام طور پر یہ ہیئت طویل نظموں کے لیے مناسب خیال کی جاتی ہے جیسے مولانا الطاف حسین حالی کی مسدس مدوجذرِ اسلام۔ مسدس کئی طرح سے لکھی گئی حالی کی مسدس کے چھ مصارع میں پہلے چار مصارع ہم قافیہ اور بقیہ دو اسی وزن پر مختلف قوافی میں مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مرحوم ساغر مشہدی کا نعتیہ مسدس بھی ''ماحی'' کے نام سے اشاعت پذیر ہوا تھا۔ اب اُس کا دوسرا ایڈیشن اُن کے بھانجے ندیم حسین رضوی نے روہی بکس فیصل آباد سے شائع کیا ہے۔ احسان دانش کا نعتیہ مسدس ''دارین'' اور محشر رسول نگری کا ''فخرِ کونین'' بھی نعت گوئی کی تاریخ میں بے مثال قرار دیئے جاتے ہیں۔ رفیع الدین راز اور محشر رسول نگری کے مسدس کا اسلوبیاتی معیار تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔ محشر کے ہاں سادگی اور روانی زیادہ ہے۔ رفیع الدین راز نے لفظیات کے استعمال میں تھوڑی جدت پیدا کی ہے۔ رفیع الدین راز کے نعتیہ مسدس ''روشنی کے خدوخال'' سے دو بند ملاحظہ کیجیے۔ اِس میں پہلے چار مصارع ہم قافیہ/ہم وزن ہیں۔ پانچواں اور چھٹا مصرع پہلے چار مصارع کے وزن پر مگر مختلف قوافی میں ہیں۔ یہ مسدس حالی کی مسدس سے دو طرح الگ ہے ایک تو اسلام کے مختلف ادوار کو بیان نہیں کرتی، حضورؐ کی سیرت اور اُسوہ اِس کا موضوع ہے دوسری بات ہیئت کی ہے کہ اِس کے ہر بند کا چھٹا مصرع ''مرحبا صلِّ علیٰ، اے آئنہ اے روشنی''

اعادے کے طور پر آتا ہے، اُس کی تکرار ہے۔

آپؐ سے پہلے بھی تھی اِس دہر میں صنفِ لطیف
بے زباں ، بے مرتبہ، مظلوم و مجبور و نحیف
خیمہ زن تھا جن کے صحنِ ذات میں رنگِ خریف
کر دیا تھا وقت نے آئینے کا چہرہ کثیف
آپؐ آئے تب انہیں ہستی کی رعنائی ملی
مرحبا صلِ علیٰ ، اے آئنہ اے روشنی

ایک اور بند ملاحظہ کیجیے

موجِ سرکش کو حلیفِ جوئے ساحل کر دیا
شمعِ محفل کو چراغِ خانہ ٔ دل کر دیا
آپؐ نے چہرے کو شیشے کے مماثل کر دیا
یعنی روئے آئینہ کو بدرِ کامل کر دیا
توڑ ڈالی آپؐ نے موجوں کی ساری سرکشی
مرحبا صلِ علیٰ ، اے آئنہ اے روشنی

ترجیع بند:

اصطلاحِ عروض میں جب شاعر چند ایسے بند جو بحر میں موافق اور قافیہ میں مختلف ہوں بیان کرتا اور ہر ایک بند کے بعد ایک اُسی وزن اور مختلف قافیہ کی معین بیت اس طرح بار بار لاتا ہے کہ یہ بیت ہر بند کی بیتِ آخر کے مضمون سے مربوط ہو تو اسے ترجیع بند کہتے ہیں۔ایک قسم کی نظم جس میں ایک شعر کئی شعروں کے بعد بار بار آتا ہے۔ میر تقی میر (۱۷۲۳ء تا ۱۸۱۰ء) اپنے عہد کے غزل کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ چھ دیوان اُردو، ایک دیوان فارسی اور

تذکرہ ''نکات الشعرا'' فارسی میں یادگار چھوڑا۔اُن کے ترجیع بند سے انتخاب ملاحظہ کیجیے۔کلام میں شیرینی ہے۔مضمون عمدہ ہے کہ جب میرے جرائم انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔غم زدہ ہو جاتا ہوں کہ دینی نقصان اٹھا رہا ہوں تو اُس وقت آپؐ کی رحمت کا سہارا ہوتا ہے۔میں زیرلب پکارتا ہوں کہ اے میرے رحمت للعالمین اے میرے شافعِ محشر کرم کیجیے۔جب گناہ بڑھ جاتے ہیں میں شرم سار ہوتا ہوں، دل اضطراب میں آ جاتا ہے کہ کیا کیے جا رہا ہوں تو اُس وقت زیرلب پکارتا ہوں کہ اے میرے رحمت للعالمین اے میرے شافعِ محشر کرم کیجیے۔

جرم کی کھو شرم گینی یا رسولؐ
اور خاطر کی حزینی یا رسولؐ
کھینچوں ہوں نقصان دینی یا رسولؐ
تیری رحمت ہے یقینی یا رسولؐ
رحمت للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ
ہووُں ہوں شرم و گنہ سے زار زار
بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آ کر اضطرار
زیرِ لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمت للعالمینی یا رسولؐ
ہم شفیع المذنبینی یا رسولؐ

ترکیب بند:

ایک بحر میں مختلف قافیوں والے چند بند لکھنا اور ہر بند کے بعد ایک ایسا شعر لانا جو وزن

میں متفق اور قافیوں میں مختلف ہو جس کی تکرار نہ ہو ان بندوں پر مشتمل کلام ترکیب بند کہلاتا ہے۔ میر ببر علی انیس (۱۸۰۰ء تا ۱۸۷۴) نے ابتدا میں غزل کہی مگر اپنے والد میر خلیق کی ہدایت پر خود کو مرثیہ گوئی کے لیے وقف کر دیا۔ تاریخِ ادب میں اُن کا کسی سے موازنہ کیا جا سکتا ہے تو وہ اُن کے ہم عصر مرزا دبیر ہی ہو سکتے ہیں۔ اُنہوں نے ایک نعت میں رسول اللہ کی محفل کا نقشہ ترکیب بند میں کھینچا ہے کہ کس طرح سے اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے اور درس دے رہے تھے۔ کیسی بے مثال چاند ستاروں کی کہکشاں تھی کہ چشمِ فلک نے پھر ایسا منظر نہ دیکھا۔

منظور تھا کہ اور روایت کروں رقم
یاد آ گئی مگر یہ حدیثِ غم و الم
مسجد میں جلوہ گر تھے رسولِ فلک حشم
ہلتے تھے ذکرِ حق میں لب پاک دم بدم
روشن تھے بام و در رخِ روشن کے نور سے
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے
اصحابِ خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
تاباں تھا بیچ میں وہ مہ ہاشمی لقب
سر پر فلک صفات مگس راں تھے وہ عرب
جبریلؑ تہہ کیے ہوئے تھے زانوئے ادب
خادم بلالؓ عنبرِ گردوں اساس تھا
نعلین اُس کے پاس عصا اُس کے پاس تھا

ایک اور ترکیب بند شاد عظیم آبادی (۱۸۴۶ء تا ۱۹۲۷ء) کے کلام سے ملاحظہ کیجیے۔ اُن کی کل تصانیف کی تعداد کوئی پچاس کے قریب ہے۔ وہ ایک بڑے شاعر تھے۔ ہر صنفِ سخن

میں اشعار کہے۔ میخانۂ الہام، مجموعۂ مراثی، مجموعۂ رباعیات کے علاوہ ظہورِ رحمت'' اور مثنوی ''مادرِ ہند'' بہت اہم تخلیقات ہیں۔ علاوہ ازیں اُن کی خاصی تعداد میں نثری کتب بھی شائع ہوئیں۔ یاس یگانہ چنگیزی جیسا با کمال آدمی اُن کے تلامذہ میں شامل تھا۔ کلامِ شاد کا پہلا انتخاب حسرت موہانی نے کیا تھا۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ اُردو کا پہلا با قاعدہ ناول شاد عظیم آبادی نے لکھا تھا۔اُن کے ترکیب بند سے انتخاب ملاحظہ کیجیے جس میں صنفِ ثنائے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور سعادت کے علاوہ سفرِ معراج پر باتے کی گئی ہے۔

شاد کا کہنا ہے کہ نعت ہماری شاعری کی معراج ہے، اِس لیے کہ ہر مسلم حبیبِ کبریاؐ کی مدحت کو محبوب جانتا ہے۔ مدحتِ رسولؐ کی بنیاد عشق و محبت ہے اور یہ مسلمانوں کی پہچان ہے کہ وہ بانیٔ اسلام کی مدحت بیان کیا کریں۔ شاد نے شبِ اسرا کا منظر بھی بیان کیا ہے کہ تمام عناصر فطرت اور سابق عظیم انبیاؑ اور قدوسی بھی استقبالِ شہ مرسلاںؐ کے لیے موجود تھے:

دیباچۂ سخن ہے شہِ انبیاؐ کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیبِ خدا کی مدح
طغرائے لوحِ عشق ہے خیرالورا کی مدح
اسلام کا نشان ہے اُس پیشوا کی مدح
نعتِ رسولِ حق ہے ہماری سرشت میں
اُمت پہ اس کا راز کھلے گا بہشت میں
جاتے ہیں سوئے عرشِ بریں، خاتمِ رسلؐ
لٹتے ہیں راستے میں ستاروں کے آج گل
حاضر ہیں انبیائے سلفؑ آستاں پہ کل
ہے قدوسیوں میں صلِ علی مصطفیؐ کا غل
مہتاب رخ سوئے درِ دولت کیے ہوئے
استادہ کس ادب سے ہے مشعل لیے ہوئے

مخمس:

قدیم نعت گوؤں میں مخمس میں مومن خان مومن، اختر محل بیگم اختر ،سیّد غلام محمد شاہ گدا اور بیگم کیفی کا عمدہ کلام ملتا ہے۔مخمس کا لفظی مطلب پانچ والا ہے۔مگر اُردو شاعری کے لحاظ سے اس سے مراد پانچ مصرعوں پر مشتمل بند ہے۔ پہلے بند میں پانچوں مصارع ہم قافیہ ہوتے ہیں مگر بعد کے بندوں میں پہلے چار مصارع مختلف قوافی میں مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں جب کہ پانچواں مصرع پہلے بند کے مطابق ہوتا ہے۔اس کے لیے کسی خاص مضمون ،وزن یا بندوں کی تعداد کی قید نہیں ہوتی۔انشا اللہ خان انشا (متوفی ۱۸۱۷ء) فارسی ،عربی، ترکی، پنجابی، مارواری، مراٹھی، پوربی اور پشتو جانتے تھے۔مشہور کہانی ''رانی کیتکی'' لکھی۔ ''دریائے فصاحت'' بھی ان کی مشہور کتاب ہے۔فارسی بحور کے نام اُردو میں تجویز کیے۔دہلی میں شاہ عالم کے دربار سے وابستہ تھے۔دہلی اجڑنے کے بعد لکھنو میں سلیمان شکوہ کے دربار سے منسلک ہوئے۔بعدازاں نواب سعادت علی خان کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ابتدا میں اچھی گزری مگر نواب صاحب کسی بات پر ناراض ہوئے اور جواں سال بیٹے کا بھی انتقال ہوا تو زندگی بڑی کرب ناک ہوگئی۔کچھ جنوں کے آثار پیدا ہوگئے تھے۔انشا ہی کا ایک نعتیہ مخمس ملاحظہ کیجیے جس میں درود و سلام کی فضیلت کی بات ہے۔یہ ایسی عبادت ہے جو اللہ کریم اور عرش پر فرشتے بھی کرتے ہیں اور انسانوں کو بھی نبی جیؐ پر درود و سلام بھیجنے کا کہتے ہیں۔درود و سلام کا سلسلہ صبحِ ازل سے جاری و ساری ہے کہ اس سے روحیں سرشار رہتی ہیں۔یہ خالقِ کائنات اور قدوسیوں کا بھی نغمہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلم بڑی عقیدت سے درود و سلام کی محافل کا اہتمام کرتے ہیں کہ یہ حسنِ عقیدت ہونے کے ساتھ ساتھ لطف و رحمت کا سبب بھی ہے۔اِس سے یوں لگتا ہے کہ ہمارے مُردہ دلوں میں زندگی کی رمق پیدا ہونے لگی ہے اور یہ فروغِ بزمِ ہستی کا سبب بن رہا ہے۔

آپ جن خدا نے خود کہا، صلِّ علیٰ محمدؐ
کیوں نہ کہیں پھر انبیا ، صلِّ علیٰ محمدؐ
عرش سے آتی ہے صدا، صلِّ علیٰ محمدؐ
نورَ جمالِ کبریا، صلِّ علیٰ محمدؐ
صلِّ علیٰ نبینا، صلِّ علیٰ محمدؐ

بھیجتے ہیں سدا درود وحش و طیور و انس و جن
واہ عجیب چیز ہے، قلب ہو جس سے مطمئن
حور و بہشت جاوداں کس کو ملے ہیں اُس کے بن
انشا اگر نجات چاہے تو پڑھ یہ رات دن
صلِّ علیٰ نبینا، صلِّ علیٰ محمدؐ

مخمس کی ایک اور شکل دیکھیں ۔ میر درد سے دہلی چھوٹی نہ کبھی نظر سے آگرہ۔نظیر اکبر آبادی (متوفی ۱۸۳۰ء) ایسے درویش منش انسان تھے کہ کبھی کسی دربار سے وابستہ نہ ہوئے، حقیقی عوامی شاعر تھے جنھوں نے عوال کے مسائل، اُن کے جذبات، خوشیوں اور غموں کو پیش کیا۔وہ جیتے جاگتے انسانی معاشرے کے شاعر ہیں۔نواب مصطفی علی خان شیفتہ نے اُن کی زبان کو بازاری قرار دے کر ''گلشنِ بے خار'' میں اُن کا ذکر بھی مناسب نہ سمجھا۔قدرت مسکرا رہی ہے کہ شیفتہ کو آج کم لوگ جانتے ہیں۔نظیر پوری تابانی کے ساتھ ادب میں زندہ ہے۔اُن کے مخمس دو بند ملاحظہ کیجیے جس میں اُنھوں نے نبی جیؐ کو ظہورِ اولیں، وجہ قرانِ مبیں، نزہتِ بستانِ دیں اور زینتِ خلدِ بریں قرار دیا ہے۔اس سے آپؐ کے مقامات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔دوسرے بند میں بہترین اسلوب میں واقعۂ معراج اور اور اُس کی غرض و غایت کو قران کی روشنی میں واضح کیا ہے کہ معراج کا مقصد شافع روزِ جزا پر کائنات کے اسرار منکشف کرنا تھا۔

حیرت ہوتی ہے جب ہماری نعوت میں معراج کی عجب عجب توجیہات پیش کی جاتی ہیں اور مقاصد بیان کیے جاتے ہیں۔کئی نعت گو تو اُس ملاقات کو با قاعدہ مجازی عاشق و معشوق کا وصل بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔داد دیتا ہوں نظیر کو جنہوں نے قرآن سے معراج کی غرض کو اخذ کیا ہے:

تم ظہورِ اولیں ہو یا محمدؐ مصطفی
تم دم جاں آفریں ہو یا محمدؐ مصطفی
وجہ قرآنِ مبیں ہو یا محمدؐ مصطفی
نزہتِ بستانِ دیں ہو یا محمدؐ مصطفی
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمدؐ مصطفی

آپؐ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں
دیکھتا ہے اُس کی رفعت رات دن عرشِ بریں
راز تو خلقت کے تم پر ہی کھلے ہیں شاہِ دیں
اور جو جو کچھ کہ ہیں اسرارِ رب العالمیں
سب کے تم بر حق امیں ہو یا محمدؐ مصطفی

مربع اور مثلث:

مربع اور مثلث بھی مسمط کی دو شکلیں ہیں۔مربع کے پہلے بند کے چار مصارع ہم قافیہ اور ایک ہی وزن میں ہوتے ہیں جب کہ باقی ہر بند کے پہلے تین مصارع اُسی وزن میں مگر الگ قافیہ کے حامل ہوتے ہیں جب کہ چوتھا مصرع پہلے بند کے قافیہ کے مطابق ہوتا ہے۔ مثلث کے پہلے بند کے تین مصارع ہم قافیہ و ہم وزن ہوتے ہیں۔ جب کہ بقیہ ہر بند کے پہلے دو مصارع الگ قافیہ کے حامل مگر آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں جب کہ تیسرا مصرع پہلے

بند کے قافیہ کے مطابق ہوتا ہے۔آیئے میر غلام علی مائل (متوفی ۱۲۵۱ھ) کی ایک نعت کے دو بند مربع کی شکل میں ملاحظہ کیجیے۔سندھی ادبی بورڈ نے ۱۹۵۹ء میں ''کلیاتِ مائل'' شائع کی۔غزل ،نعت، سلام ،منقبت اور مرثیہ کے بہترین شاعر تھے۔

اے صبا جا درِ مدینہ مصطفی کوں کہہ سلام

اُس سراپا نور ذات کبریا کوں کہہ سلام

آفتابِ اوجِ دیں بدر الدجیٰ کوں کہہ سلام

نور مجمل حضرت نور الہدیٰ کوں کہہ سلام

اے صبا بعد از سلام آلِ رسول مقتداء

جا شتابی در حریم حضرت خیر النسا

از ادب استادہ با صد زاری و صد التجا

بضعہ ذات رسول مقتدا کوں کہہ سلام

مولانا عبدالباری آسی (متوفی ۱۳۵۹ھ) نے مثلث کی شکل میں عمدہ نعوت کہی ہیں۔ وہ شارح غالب ہیں۔کمال اور عجب شخصیت کے حامل تھے۔کئی اہم کتب مرتب کیں۔کئی بار اپنا اعلیٰ کلام شاگردوں میں تبرک کے طور پر بانٹ دیا اور خود پھس پھسی غزل پڑھ کر آ گئے۔کبھی غالب کے خلاف مضمون لکھ دیا کبھی رباعیاتِ خیام سے متعلق کہہ دیا وہ خیام کی تھیں ہی نہیں۔ ایک مثلث کے دو بند ملاحظہ کیجیے جن میں باری آسی نے ایک طرف تو حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر درود و سلام بھیجا ہے تو دوسری طرف اُن کے مقامات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شخصی اوصاف بیان کیے ہیں۔آپؐ عظیم ترین رہبر ہیں جنہوں نے ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے آگے چل کر دنیا کی امامت کی۔آپ شفیع المذنبین ہیں اور گنہگاروں کا روزِ محشر آسرا ہیں۔آپؐ ایک بہترین ساتھی اور دوست ہیں:

وہی ہیں ظاہر، وہی ہیں مطہر وہی ہیں شافع وہی پیمبر

وہ سب سے افضل وہ سب سے بالا وہ سب کے رہبر وہ سب سے برتر
تحیت اُن پر ، درود اُن پر، صلوۃ اُن پر، سلام اُن پر
شفیق سب کے ادیب سب کے انیس سب کے خلیل سب کے
رفیق سب کے حبیب سب کے رئیس سب کے کفیل سب کے
تحیت اُن پر، درود اُن پر ، صلوۃ اُن پر، سلام اُن پر

مثنوی

مثنوی فارسی سے اُردو زبان میں وارد ہوئی ۔رودکی سے پہلے اِس کا وجود نہ تھا۔اُس کی مثنوی ''کلیلہ ودمنہ'' کواس صنف کا پہلا نمونہ خیال کیا جاتا ہے۔فردوسی کے ''شاہنامہ'' کوعالم گیرشہرت حاصل ہوئی ۔یہ صنفِ ادب طویل مسلسل مضمون مثلاً منظوم داستان ، قصے، کہانی وغیرہ کے لیے مناسب خیال کی جاتی ہے۔رزمیہ، طربیہ، عشقیہ، غیر داستانی انداز کی مثنویاں لکھی گئی ہیں۔غزل کی مطلع کی طرح دودو مقفّٰی اشعار پر مشتمل ہوتی ہے اور ایک ہی بحر میں کہی جاتی ہے۔اُردو زبان کے کلاسیکی شعرا نے خوب مثنویاں لکھی ہیں۔جن اصناف شعر میں نعت گوئی کی گئی اُن میں مثنوی بہت قدیم بلکہ سب سے قدیم ہے۔ویسے تو اِس صنفِ ادب کے کئی لوازم ہوتے ہیں مگر مثنوی کے آغاز میں حمدیہ اور نعتیہ اشعار کہنا ہماری شعری تہذیب کا حصہ ہے۔ ہمارے ہاں زمانۂ قدیم سے آج تم مثنوی کی ہیئت میں نعت کہنے کا رجحان موجود ہے۔فخرالدین نظامی (کدم راؤ پدم راؤ)،خوب محمد گجراتی ، ملاوجہی (قطب مشتری)،نصرتی (علی نامہ)،سیّد میراں ہاشمی (معراج نامہ)، میرحسن، سعادت یار خاں رنگین سے سیّدہ مظہر عروج تک نعت گوؤں کے ہاں مثنویوں میں یا مثنوی کی ہیئت میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ مثنوی کی ہیئت سے چند نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

تمہی اے شہنشاہِ دنیا و دیں

شجاعت کی ہے صف کا کرسی نشیں

(نصرتی)

نبیاں کا تو دادا ہے آدم صفی

کہ روحاں کا دادا ہے خاتم نبی

(سیّد میراں ہاشمی)

کہاں شان اُس کی ہو مجھ سے بیاں

کہ لولاک جس شان میں ہے عیاں

(مرزا جان عیش)

لکھوں نعت اُس کی میں کس طرح ساری

براق، ادنیٰ تھی جس کی اک سواری

(سعادت یار خاں رنگین)

میرے مولا میرے آقا میرے سرور صدقے

جان و دل صدقے ترے پاؤں پہ یہ سر صدقے

کائنات آج مکمل ہوئی آمد سے تری

ذاتِ انسان مدلل ہوئی آمد سے تری

(سیّدہ مطہر عروج)

مذکورہ بالا چھ اشعار میں مثنوی کا اسلوبیاتی ارتقا بھی واضح ہو رہا ہے۔ ادب کا قاری اِن اشعار کو لفظیات کے استعمال، اشعار کی روانی اور فصاحت کے حوالے سے پرکھ سکتا ہے کہ اُردو زبان کے ابتدائی دور کے شعرا کے ہاں زبان ادق ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے قریب کے عہد میں سعیدہ مطہر عروج تک آتے آتے بالکل واضح اور رواں ہوگئی ہے۔

ہمارے عہد کے نامور شاعر منصور آفاق کا مثنوی کی ہیئت میں درود ملاحظہ کیجیے جس میں

نعت گو نے بہترین مضامین نظم کیے ہیں کہ آپؐ نے معراج کے ذریعے انسان کے عظیم تر بنا دیا۔ آپؐ فخر آدمیت کہلائے۔ آپؐ نے اپنے نورِ نبوت سے عرش کو بھی اپنے جلوؤں سے بہرہ مند کیا۔ آپؐ ہی وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے جمہوریت کے ذریعے انسانوں کے درمیان مساوات قائم کی۔ برتری صرف تقویٰ کی بنیاد پر قرار دی۔ مال و متاع اور حسب ونسب پیچھے رہ گیا۔ دولت وثروت، رنگ ونسل وغیرہ کی بنیاد پر تفرقہ ڈالنے والوں کو ظالم اور ناپسندیدہ کہا۔

درود:

درود اس پر کہ جس نے سر بلندی خاک کو بخشی
تجلیٰ آدمی کی قریہ ء افلاک کو بخشی
درود اس پر کہ جو جمہوریت کا دین لایا تھا
جو لوگوں کی بھلائی کیلیئے لوگوں میں آیا تھا
درود اس پر کہ جو جاگیرداری کا مخالف تھا
جہاں میں مال و زر کی شہر یاری کا مخالف تھا
درود اس پر کہ جس نے سود فرمایا بٹائی کو
کہا جائز فقط اپنی ہی محنت کی کمائی کو
درود اس پر کہا جس نے کہ انساں سب برابر ہیں
زمیں پہ سب لکیریں کھینچنے والے ستم گر ہیں

نعتیہ قصیدہ

قصیدہ ایک پر شکوہ صنفِ ادب ہے جسے شہنشاہِ اقلیمِ سخن بھی کہا جاتا ہے لہٰذا ہر بڑے شاعر نے اپنے عہد میں قصائد میں طبع آزمائی کی۔ میر وسودا سے لے کر جرات، مومن، ذوق اور غالب تک سب نے قصائد میں اپنی عظمت اور جودتِ طبع کا ثبوت دیا۔ قصیدہ عربی زبان کی

صنف ہے۔نعتیہ قصیدہ کا آغاز نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور ہی سے ہوگیا تھا۔اِس لیے قصیدہ نگاروں کی فہرست طویل ہے اور اُسے ایک دو صفحات میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ایسی صنفِ ادب تھی کہ جس میں ممدوحِ قصیدہ کے حوالے سے بہت غلو پایا جاتا تھا، اِس لیے کہ قصیدہ نگاری کا مقصد ہی ممدوح سے کوئی نہ کوئی مالی فائدہ حاصل کرنا ہوتا تھا بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اگر ممدوحِ قصیدہ کا انتقال ہو جاتا تھا تو اُس کا نام ہٹا کر شعرا اُس کے جانشین کا نام لکھ کر کام چلا لیتے تھے لیکن نعتیہ قصائد میں ایسی کسی بات کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔اِس میں کسی بھی قسم کا ابتذال یا ادنیٰ مضمون یہاں تک کہ کسی سہو کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔نعتیہ قصیدہ ایک ایسے انسانِ کامل اور ہستی کی توصیف ہے کہ خدا خود جس کا ثنا خواں ہے۔کلام اللہ جس کے اُسوۂ حسنہ کا معترف ہے اور اُن کے اوصاف بیان کرتا ہے۔

کسی زمانے میں قصیدہ بھی نعت گوئی کی اہم ہیئت رہا ہے مگر تقسیمِ ہند کے بعد بھی بہت قصائد لکھے گئے ہیں جن کی طرف ہماری نظر نہیں جاتی۔اِس دور میں عبدالعزیز خالد، سجاد سخن، ولی الرحمن ولی، ساحر لکھنوی، رفیع الدین ذکی قریشی، نصیر ترابی، شفیق جون پوری، محمد مصطفی جوہر، سیّد نظر زیدی، خالد احمد، ضیا شہبازی وغیرہ نے خوب قصائد لکھے۔ہمارے عہد میں خالد علیم، انجم نیازی، انور جمال، منظر عارفی، جمشید اعظم چشتی اور رشیا حیدری شامل ہیں۔حافظ لدھیانوی نے نعتیہ کتب کی تعداد ۳۰ کے قریب ہے۔اُن کے کلام میں نعتیہ قصائد بھی شامل ہیں۔جن میں شکوہِ الفاظ سے زیادہ جذبہ و احساس کے اہمیت دی گئی ہے۔اُن کے مجموعی ''کیفِ مسلسل'' میں شامل ''قصیدہ مدحت و التجا'' کا مطلع ملاحظہ کیجیے:

زباں پر ہے مری نعتِ سرورِ عالم
کہ دل کا حسنِ ازل سے ہے رشتہ محکم

اُردو نعتیہ قصائد کی تاریخ میں شہرِ نعت کی پروفیسر طاہر صدیقی (جن کی بنیادی شہرت مکمل کلامِ غالب کی زمینوں میں نعت گوئی ہے) کو ''قصدِ نعت'' کے نام سے طویل ترین قصیدہ لکھنے

کا اعزاز حاصل ہے جس میں ۱۹۰۰ اشعار شامل ہیں ۔قصیدہ اپنے اجزا کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔مثلاً فدا خالدی کے مجموعۂ نعت ''م ص'' میں ۴۲ اشعار پر مشتمل ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے جس میں روایتی قصیدے کے تمام لوازمات تشبیب، گریز، مدح اور دعا بھی شامل ہیں ۔اِس قصیدے کے پہلے حصہ (تشبیب) کے ۲۰ اشعار میں نعت نگار نے ظہورِ قدسی سے پہلے کے حالات بیان کیے ہیں۔دوسرے حصے گریز میں ۱۲ اشعار ہیں جن میں بتایا

گیا ہے کہ مشرکین وکفّار کی یہ روش اللہ کریم کو پسند نہ آئی تو اللہ کی رحمت جوش میں آئی تیسرے حصے مدح میں انقلابِ محمدی ﷺ اور نبی پاک ﷺ کی مدح وتعریف میں ۱۹ اشعار ہیں، چوتھے حصے دعا میں ایک شعر پر قصیدہ ختم ہوتا ہے ۔مذکورہ قصیدہ میں سے گریز اور دعا کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

گفتار میں تلخی تھی تو لہجے میں تکبر
آخر یہ روش اُن کی مشیت کو نہ بھائی
ابھرا افقِ ذہن پہ اک مطلعِ دلکش
رخشندہ و تابندہ وپُر نور و ضیائی (گریز)
کرتا ہوں فدا ختم قصیدے کو دعا پر
اللہ درِ سرورِ دیں تک ہو رسائی (دعا)

یہاں ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ فدا خالدی کا ایک اہم موضوع حاضری وحضوری کی تڑپ ہے ۔لہٰذا اُن کے قصیدے میں دعا بھی اُسی حوالے سے ہے۔آرزو اکبرآبادی کے سات شعری مجموعے شائع ہوئے۔اُن کا نعتیہ مجموعہ کلام ''کیفِ بہاراں'' ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا جس میں تین نعتیہ قصائد شامل تھے ۔ایک قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

جس کی شہرت ایسے چھا جائے گی بزمِ دہر پر
جیسے اطرافِ دو عالم میں اذانِ قدسیاں

جیسے ہو سر مستیوں پر ساقیِ روزِ ازل
مشتری کی مانگ جیسے چرخ پر ہو زر فشاں
جیسے ساون کی اندھیری رات میں کوئل کی کوک
جیسے بھادوں کی سنہری دھوپ میں مہر تپاں
جیسے دریا کی روانی چاندنی کے فیض سے
جیسے گلشن میں بہاریں لائے برکھا کا سماں
الغرض وہ بادشاہِ شش جہت آنے کو ہے
جس کے جلوؤں سے ہے تخلیقِ زمین و آسماں
جس کی خلقت ہو گی توجیہ ”شعاعِ لم یزل“
جس کی مخلوقات میں جگہ ہو گی شایانِ شاں

رباعیات:

رباعی، ربع سے نکلا ہے۔ شعری اصناف کے حوالے سے مقررہ اوزان میں چار مصرعوں پر مشتمل شعری تخلیق جس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہو رباعی کہلائیں گے۔ یہ ایک مشکل صنفِ ادب خیال کی جاتی ہے لیکن جن اساتذہ کو رباعی گوئی مرغوب ہے وہ رباعی ہی کو اظہار کا ذریعہ بنانا پسند کرتے ہیں۔ راغب مُرادآبادی اور اُن کے شاگرد مامون ایمن نے تو سرزمینِ حجاز کے مقدس سفرنامے بھی رباعیات میں لکھ ڈالے۔ خاص طور پر راغب مُرادآبادی کے تو کئی مجموعہ ہائے کلام مثلاً آزادی، اویشن ٹو چائنہ، نقوشِ امریکا اور نعتیہ سفرنامہ حجاز ”جادۂ رحمت“ جو ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ رباعی کی صنف میں ہیں۔ اُنہوں نے آیات واحادیث رباعی افروز (۱۹۹۵ء) میں تین سو احادیث اور چھ سو آیات کو رباعی میں منظوم کیا۔ اپنے بیٹے کی حادثاتی موت پر رباعی کی صنف میں ایک مکمل مجموعہ تخلیق کر ڈالا، بعد ازاں ایک ہی

موضوع ''موت'' پر ایک رباعی ہی کی صنف میں اُن کا تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل مجموعہ کلام شائع ہوا۔ فی البدیہہ رباعی گوئی میں تاریخِ ادب میں اُن کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ جوش ملیح آبادی اور امجد حیدر آبادی نے بھی بے مثال رباعیات لکھی ہیں۔ حال ہی میں فراست رضوی کا ایک بہت خوب صورت مجموعۂ رباعیات سامنے آیا ہے۔ ہمارے نعت گوؤں نے اِس صنفِ ادب میں بھی کمال نعتیں لکھی ہیں۔ چند نعتیہ رباعیات ملاحظہ کیجیے:

یٰسین کو سن کر جو قضا کرتے ہیں
حق الفتِ احمدؐ کا ادا کرتے ہیں
یٰسین ہے نبیؐ کا نام سو نزع کے وقت
اِس نام پہ جاں اپنی فدا کرتے ہیں
(مرزا دبیر)

دل ہے تو ہے دلدارِ مدینہ کے لیے
جاں ہے تو ہے سرکار مدینہ کے لیے
اے بادِ صبا، خاکِ مدینہ لا دے
درکار ہے بیمار مدینہ کے لیے
(بشیر رزمی)

نعت کے عظیم شاعر حافظ لدھیانوی کی کتاب ''نعتیہ رباعیات'' ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔ حزیں کاشمیری نے لمعاتِ نور کے نام سے ۱۹۹۹ء میں اپنی کتاب شائع کی۔ علامہ بشیر رزمی استاد شاعر تھے اُن کا مجموعہ نعتیہ رباعیات ''رحمت سر رحمت'' ۲۰۱۸ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ حافظ محبوب الٰہی عطا، پنڈی گھیب ضلع اٹک سے تعلق رکھنے والے عالمِ دین ہیں۔ اُن کا نعتیہ مجموعہ ۲۰۲۲ء میں مدارِ کائنات کے نام سے شائع ہوا۔ غزل اور رباعی کی ہیئت میں عمدہ نعتیں لکھتے ہیں۔

''چراغِ اطلس'' اُن کا مجموعۂ رباعیات بھی شائع ہوا۔

جب عشقِ نبیؐ کرتا ہے تجدیدِ حیات
ہوتی ہے کہاں مرگ سے تردیدِ حیات
آتے ہیں نظر کشفِ ابد کے منظر
عنواں ہی بدل لیتی ہے تمہیدِ حیات
(محبوب الٰہی عطا)

چوکھمبیاں

''چوکھمبیاں'' ایک نئی صنفِ سخن ہے جو معروف شاعر یوسف راہی چاٹگامی کی اختراع ہے۔ وہ ۱۹۵۳ء میں چاٹگام (سابق مشرقی پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ اُن کی نعوت انتہا درجے کی سادگی اور روانی لیے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے ہاں استعارہ سازی اور شعری ترکیبیں بھی شاذ ہی پڑھنے میں آتی ہیں۔ اُن کے ہاں حبِ رسول میں بہزاد لکھنوی کی طرح چاک گریباں کی کیفیات اور عشق میں جنوں کے آثار تو نہیں ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ اُن کی نگاہوں میں عشقِ نبیؐ ہی کی تنویر ہے۔ اُن کے نزدیک نہ صرف عام انسانوں بلکہ انبیاؑ کے لیے بھی آپ کی اطاعت باعثِ عز و شرف ہے۔ اِس جہان میں یوسف کے لیے عشقِ مصطفیؐ کے سوا رکھا ہی کیا ہے کہ دونوں جہان میں آپؐ کا حسن و جمال ہی ہے جو عرش و فرش کے فروغ کا باعث ہے۔ آپؐ اہلِ دل کی آرزو ہی نہیں بلکہ فخرِ رسولاں بھی ہیں۔ آپؐ کے دم سے سرزمینِ حجاز دنیا میں معزز و معتبر ہوئی۔ آپؐ طیبہ کے بدرِ منیر ہیں تو بطحا کے نیّرِ تاباں ہیں۔ ''ولائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور ''ثنائے سیّد الکونین'' اور ''نعتیہ چوکھمبیاں'' کے خالق کے مسلسل کئی اشعار اِس موضوع پر بھی پڑھنے میں آتے ہیں کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دو عالم میں کوئی ثانی، کوئی نظیر، کوئی مثال نہیں۔ اِسی وجہ سے نعت نگار کا کہنا ہے کہ میرے لیے اِس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی

کہ میرے آقاؐ، اللہ کے آخری پیغمبر ہیں۔ چوکھمبیوں پر مشتمل اُن کا مکمل نعتیہ مجموعۂ کلام جولائی ۲۰۱۸ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اِس کتاب میں اِس صنفِ ادب سے متعلق لکھتے ہیں :

ہے ''چوکھمبی'' اک ہئیتِ نو ائے راہی
میں ہوں اِس کا موجد ، ہے ایجاد میری
ہے ''بحرِ تقارب'' فقط بحر اِس کی
پسندیدہ ہو گی یہ صنفِ سخن بھی

۴ مصارع جو تمام کے تمام ہم قافیہ و ردیف ہوتے ہیں اور لازمی طور پر بحرِ تقارب (فعولن، فعولن، فعولن، فعل) میں ہوتے ہیں۔ اُن کی ۱۹۰ صفحات پر مشتمل کتاب میں حمدیہ، نعتیہ اور منقبتی چوکھمبیاں شامل ہیں۔ دو چوکھمبیاں ملاحظہ کیجیے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت اور محبت کی بات کی گئی ہے کہ یہ جزوِ ایمان نہیں بلکہ اِس کے بغیر ہمارا ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ اللہ کریم کا ہم پر احسان ہے کہ ہمیں محمد عربیؐ جیسا عظیم ترین اور آخری پیغمبر عطا کیا جنہوں نے آ کر اللہ کے احکامات کی تکمیل کی۔ دین مکمل ہوا۔

اُنہی کا ہر اک حکم ہے بس امر
ہے تقلید اُن کی ضیا کا سفر
اُنہی کی محبت ہے بس معتبر
اُنہی کی اطاعت سے دل پاک کر

خدا کا یہ ہر اک پہ انعام ہے
خدا کا یہ انعام و اکرام ہے
انہی پر فقط دیں کا اتمام ہے
انہی کی محبت ، بس اسلام ہے

ہائیکو

ہائیکو بنیادی طور پر جاپانی صنفِ ادب ہے۔ اُردو میں اِس کا پہلا تعارف شاہد احمد دہلوی کے ماہنامہ ''ساقی'' کی وساطت سے ۱۹۳۶ء میں ہوا جب اُنہوں اِس پرچے کا جاپان نمبر نکالا۔ ابتدا میں اُردو شعرا تین مصارع کی ہائیکو کہتے تھے جس کے مصارع کسی خاص وزن کے پابند نہیں تھے۔ بعدازاں ''فعلن فعلن فع، فعلن فعلن فعلن فع، فعلن فعلن فع'' کا خیال رکھا جانے لگا لیکن ایک بات کا خیال بہر حال ابھی نہیں رکھا جاتا۔ کہیں ۲ اور کہیں ۳ حرفی ارکان برتے جاتے ہیں۔ ہائیکو کی مقبولیت میں دبستانِ کراچی نے مرکزی کردار ادا کیا۔ یہاں جب ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۰ء کے عشروں میں جاپانی کونسلیٹ نے ہائیکو مشاعروں کی سرپرستی شروع کی تو راغب مُرادآبادی جیسے ماہرِ عروض ولسانیات سے لے کر محسن بھوپالی، اقبال حیدر، فراست رضوی اور وضاحت نسیم تک بے شمار شعرا نے ہائیکو کہی۔ جاپانی ہائیکو میں موسم شعرا کا خاص موضوع ہوا کرتے تھے۔ پاکستان میں البتہ موضوع کی کوئی قید نہیں۔ کئی شعرا کے ہائیکو کی صنف میں مکمل مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ نعتیہ ہائیکو کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے:

کاش ہو یوں انجام
دل میں ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد بسی ہو
لب پر ان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام
(سرشار صدیقی)

یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ترے فقیروں کی
شان و شوکت عجیب دیکھی
ان کی ٹھوکر میں بادشاہی ہے
(اکرم کلیم)

ان کی تعریف میں کروں کیسے
نعت لکھوں تو کس طرح لکھوں
مجھ کو الفاظ ہی نہیں ملتے
(رضی الدین رضی)

۲۰۱۹ء میں کثیر التصانیف شاعر سیّد نورالحسن نورنوابی عزیزی کا مکمل نعتیہ ہائیکو کا مجموعہ ''سورج نکلا ہے'' اشاعت پذیر ہوا جس میں حمدیہ اور دعائیہ کے علاوہ سو نعتیہ ہائیکو شامل ہیں۔اُنہوں نے ۵، ۷، ۵ کی پابندی کے ساتھ جو نعتیہ ہائیکو لکھی ہیں اُن میں نبی پاکؐ کی سیرتِ اطہر، اخلاق و کردار، غزوات و معجزات، دیارِ رسول ﷺ، روضۂ اطہر اور سنہری جالیوں کا خوب عقیدت سے ذکر کیا گیا ہے۔اُن کی دو تین ہائیکو مذکورہ مجموعے میں سے ملاحظہ کیجیے:

برسیں گے انوار
نور سجاؤ بزمِ نبیؐ
دل ہو گا سرشار

سرحد طیبہ ہے
رات کا لشکر روکنے کو
دھوپ کا پہرہ ہے

اِدھر اُدھر مت گھوم
اے دل ! ہادیٔ عالم کے
نقشِ قدم کو چوم

غزلیہ نعت

مذکورہ بالا صفحات میں ہم نے تمام اہم اصنافِ شعر کا اختصار کے ساتھ جائزہ پیش کیا ہے کہ جن میں اُردو زبان کی ابتدا ہی سے شعرا نے نعت گوئی کی ہے مگر یہ ایک انمٹ حقیقت ہے کہ ہر دور میں نعت گوئی کے لیے بھی جو صنفِ شعر مقبول ترین رہی ہے وہ بلا شبہ غزل ہے۔

یہ سوال اپنی جگہ پر اہم ہے کہ غالب طور پر غزل ہی کی ہیئت کو نعت گوئی کے لیے اپنانے سے کہیں ہم اِس صنف کا کینوس تو محدود نہیں کر رہے؟ کیا ہیئتی اعتبار سے ہم نعت کے امکانات اور رنگ محدود نہیں کرتے چلے جا رہے۔نعت تو خوب کہی جا رہی ہے مگر صرف غزلیہ ہیئت پر اکتفا کر لینے سے یکسانیت کا احساس پیدا نہیں ہوگا اور جمالیاتی سطح پر بھی اِس صنفِ ادب کو گزند پہنچے گا۔یہ سب سوچنے والے سوالات ہیں۔اور یہ سوال بھی اہم ہے کہ عہدِ حاضر کی نعتیہ شاعری اپنی تخلیق کے لیے کس طرح کے پیرہن یا فارمیٹ کی متقاضی ہے؟ مگر اِن سوالات سے قطعِ نظر، اب تک کی نعتیہ شاعری میں غزل کا فارمیٹ یا پیرہن ہی مقبول اور موزوں رہا ہے۔اِس بات میں دو رائے نہیں ہیں کہ مقبول ترین نعتیہ کلام غزل ہی کی ہیئت میں ملتا ہے۔نعت خوانوں اور نعتیہ محافل نے بھی نعتیہ ادب کے ترویج میں خوب کردار ادا کیا ہے۔اب اگر عمیق نظری سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نعت خوانوں نے بھی اکثر اُس کلام کو پذیرائی بخشی ہے جو غزلیہ ہیئت میں ہوتا ہے۔محمد علی ظہوری، عبدالستار نیازی، محمد اعظم چشتی، صائم چشتی، مظفر وارثی، اعجاز رحمانی اور سیّد صبیح رحمانی نے زیادہ تر غزل ہی کی ہیئت میں لکھا ہوا کلام پڑھا اور داد پائی۔لیکن کیا اِس کے معنی یہ لیے جائیں کہ یہ سہل پسندی ہے۔اگر آپ موزوں طبع ہیں تو غزلیہ نعت کہنا شروع کر دیں۔اِس میں مثبت نقطہ بہر حال یہ ہے جو ڈاکٹر خورشید رضوی نے بیان کیا ہے کہ غزل نعت کی تشبیب ہے۔غزل گوؤں کا نعت نگاری کی طرف آنا تمام غزلیہ شاعری کا جواز فراہم کرتا ہے۔

اُردو غزلیات میں ایسے اشعار تلاش کرنا مشکل نہیں کہ جن میں ایسا لگتا ہے کہ کوئی دوسرا فرد بھی شاعر سے ہم کلام ہے۔عمومی طور پر شاعر خود سوال کرتا ہے اور اپنے متکلم کی طرف سے خود ہی جواب دیتا ہے۔غزلیات میں ایسے اشعار زمانۂ قدیم سے موجود رہے ہیں۔ممکن ہے ایسے اشعار بے ساختہ ہوں لیکن اگر مکمل مکالماتی غزل کہی جاتی ہے تو عموماً اِس میں ارادے کا عمل دخل ضرور ہوتا ہے۔ایسی غزلیات اگر قرینے سے کہی جائیں تو اِن میں سوال جواب کی ایک جمالیاتی کیفیت موجود ہوتی ہے۔مومن خاں مومن سے سراج الدین ظفر اور امتیاز ساگر تک کے کلام میں مکالماتی اشعار اور غزلیں مل جاتی ہیں۔ ملتان کے کچھ نعت گو احباب نے مکالماتی غزلیہ نعوت بھی کہی ہیں۔رضی الدین رضی کی ایک مکالماتی نعت ملاحظہ کیجیے۔تھوڑا غور کریں تو مضامین وہی ہیں جو عمومی طور پر نعوت میں باندھے جاتے ہیں مثلاً ظہورِ قدسی، حضورؐ کی سیرت، ہجر و فراق اور دیدارِ محبوبؐ جو اِس مکالماتی غزلیہ نعت میں بیان کیے گئے ہیں، وہ نعت نگاری کے عام اور مقبول مضامین ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ غزل کی مختلف پیش کش کی وجہ سے ایک مختلف ذائقے کا احساس ہو رہا ہے۔اِس کے مصرعِ اولیٰ میں ایک استفہامیہ یا سوالیہ انداز ہوتا ہے اور مصرعِ ثانی میں کا جواب موجود ہوتا ہے۔اظہار و ابلاغ کا یہ طریقہ انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔اصل بات تو یہ ہے کہ سوال میں کچھ پوچھا گیا ہوتا ہے مگر کئی صورتوں میں مقصد اقرار حاسل کرنا ہی ہوتا ہے۔عام طور پر سوالیہ انداز تین طرح کے ہوتے ہیں۔استفہامِ استخباری: جن میں کوئی خبر معلوم کی جاتی ہے۔سائل کو معلوم نہیں ہوتی یا تجاہلِ عارفانہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔استفہامِ اقراری: اِس میں درحقیقت سائل اپنے مقصد کا جواب یعنی اقرار چاہتا ہے۔تیسری صورت استفہامِ انکاری کی ہے جس میں بظاہر اثبات مگر حقیقت میں انکار ہوتا ہے ۔مندرجہ ذیل غزلیہ نعت میں اسفہامِ استخباری اور اقراری کی دونوں صورتیں نظر آرہی ہیں۔

سوال، لمحہ وہ کون سا تھا کہ جب یہ دونوں جہان مہکے
جواب، میرے نبی جو آئے تو سارے کون و مکان مہکے

سوال، ظلمت کدے میں کیسے کرن بھلا روشنی کی آئی
جواب، صحرا میں جیسے بارش خبر لئے زندگی کی آئی
سوال، کیسے بچو گے ان سے جو ایک دوجے کو مارتے ہیں
جواب، شر سے اگر ہو بچنا تو ہم محمدؐ پکارتے ہیں
سوال، عشقِ نبیؐ میں تم نے کبھی بھی گریہ نہیں کیا ہے
جواب، روئے تو ہم بہت ہیں مگر دکھاوا نہیں کیا ہے
سوال، بتلاؤ تورضی خواب میں کبھی ان سے بات کی ہے
جواب، میں نے تو نعت ساری مکالمے میں کہی ہوئی ہے

ملتان ہی کے، غالب کی زمینوں میں نعتیہ مجموعہ ''ثنائے محمدؐ'' پیش کرنے والے ایاز صدیقی کے برادرِ بزرگ حزیں صدیقی نے بھی مکالماتی نعت کہی ہے۔نعت کے پہلے تین اشعار اور پانچویں شعر میں میں واقعہ معراج کی نسبت سے مخلوق کی خالق تک رسائی اور شانِ رسالت کی رفعتوں کی بات کی ہے۔ پھر یہ سوال بھی کہ آپؐ نور ہیں یا پیکرِ خاکی تو حزیں صدیقی نے خوب صورت جواب دیا ہے کہ وہ آئینہ حسن ربّانی ہیں۔ایک اہم بات یہ بیان کی ہے کہ آپؐ بظاہر اُمی لقب ہیں مگر اللہ کریم نے تو آپؐ پر کائنات کے تمام اسرار منکشف کر دیئے۔ یہی معراج کا مقصد تھا۔مزید براں رسول اللہ کی کرم گستری اور دیارِ رسولؐ کی شان بھی واضح کی ہے۔ایسی نعوت چوں کہ تاریخ اور عقیدے سے متعلق بھی ہوتی ہیں لہٰذا اُن میں استفہامِ انکاری واستفہامِ اقراری دونوں پائے جاتے ہیں۔ملاحظہ کیجیے:

سوال؛ عبد کی معبود تک رسائی ہے؟
جواب؛ اور یہ معراج کس نے پائی ہے
سوال؛ خاک نشینوں کا عرش پر کیا کام؟
جواب؛ شانِ رسالت کی حد بتائی ہے

سوال؛ عالمِ بالا کی سیر اِک پل میں؟
جواب؛ صلِّ علیٰ شانِ مصطفائی ہے
سوال؛ نورِ مجسم کہ پیکرِ خاکی؟
جواب؛ آئنہء حسنِ کبریائی ہے
سوال؛ بندہء امیؐ کو دو جہاں کی خبر؟
جواب؛ علمِ خداداد انتہائی ہے
سوال؛ ایک ہی صورت ہے جانِ صورت گر؟
جواب؛ اپنے خط و خال پر بنائی ہے
سوال؛ آپ کے دامانِ لطف کی وسعت؟
جواب؛ عرصہ کونین کی سمائی ہے
سوال؛ ارضِ مدینہ فلک مقام ہے کیوں؟
جواب؛ مسکنِ محبوبِ کبریائی ہے

مکالماتی نعت کی اِس سے بھی زیادہ دل کش اور عمدہ صورت ہمیں ڈاکٹر عاصی کرنالی کے ہاں نظر آتی ہے۔اُن کی ایک بے مثال نعت ملاحظہ کیجیے جس میں وہ ذہن، زبان، قلم، شعور، خرد، خیال، طلب، نگاہ اور دل سے نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت کے حوالے سے کچھ تقاضے کرتے ہیں مثلاً ذہن سے کہتے ہیں کہ ثنائے خواجہ کے لیے کوئی مضمون سوچ، زبان سے کہتے ہیں مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں کچھ بول، قلم سے متقاضی ہیں کہ مدحتِ شہ کونین میں کچھ لکھ، شعور سے مخاطب ہیں کہ آپؐ کے مقام کو سمجھ، خرد سے کہتے ہیں کہ اُن کے علم کو جان، خیال سے درخواست گزار ہیں کہ گنبدِ خضریٰ کی سمت پرواز کر، طلب سے کہتے ہیں کہ مدینے چلنا ہے نیکیوں کے دفتر باندھ لے، نگاہ سے کہتے ہیں کہ سامنے دیارِ جمال ہے، دل سے کہتے ہیں آپؐ سے حرفِ دعا مانگ مگر یہ سب اجزا معذوری ظاہر کرتے ہیں۔آخر پر وہ محسنِ انسانیت سے عرض کرتے ہیں

کہ میرا دامنِ فن خالی ہے حضور میں آپؐ کے آستاں پر کیا لاؤں ۔بس یہی گزارش ہے کہ میرے عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجیے ۔مکالماتی انداز کی یہ نظم عجزِ بیاں کا بہترین نمونہ ہے۔کومل کومل اور شبنمی احساسات لیے ہوئے یہ نعت روایتی طرزِ بیاں اور فکر و خیال سے اپنا راستہ الگ کرتی دھائی دے رہی ہے۔اِس نعت کا اختتامیہ بھی اِس اعتبار سے بے مثال ہے کہ عجز و انکسار ایک طرف نعت گوئی کا بنیادی تقاضا ہے اور دوسری طرف اِس سے کلام میں تاثیر اور شعریت پیدا ہوتی ہے۔اُردو ادب میں مکالماتی نعوت تو بے شمار ہیں ۔نعتیہ ادب میں بھی عشاق کی تسکین و تطہیرِ قلب کر رہی ہیں مگر عاصی کرنالی کی اِس نعت سا طرزِ فکر و احساس میں نے کہیں نہیں دیکھا۔دیکھیں اِس نعت میں بظاہرِ استفہامِ انکاری ہے کہ ذہن، زبان، قلم، شعور، خرد، خیال اور نگاہ وغیرہ انکاری ہیں مگر ایسا نہیں ہے ۔وہ یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اِس کام کی عظمت و رفعت سے بہ خوبی واقف ہیں۔وہ تو اپنے بیان میں عجز و انکسار کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ معاملہ محبوبِ کردگار کی ثنا کا ہے۔ہم وہ تاب و تواں کہاں سے لائیں جو آپؐ کے شایانِ شاں یہ کام کر سکے۔عشق و محبت اور عجز و انکسار آقاؐ کے مدحت کی اوّلیں شرط ہے جس کے بغیر ثنا خوانی کا تصور بھی محال ہے۔

ثنائے خواجہ میں اے ذہن! کوئی مضموں سوچ
جناب! وادیِ حیرت میں گم ہوں، کیا سوچوں؟
زبان! مرحلہِ مدح پیش ہے، کچھ بول
مجالِ حرف زدن ہی نہیں ہے کیا بولوں؟
قلم! بیاضِ عقیدت میں کوئی مصرع لکھ
بجا کہا، سرِ تسلیم خم ہے کیا لکھوں؟
شعور! اُن کے مقامِ پیمبری کو سمجھ
میں قیدِ حد میں ہوں، وہ بیکراں ہیں کیا سمجھوں؟

خرد! بقدرِ رسائی تُو اُن کے علم کو جان
میں نارسائی کا نقطہ ہوں اُن کو کیا جانوں؟
خیال! گنبدِ خضرٰی کی سمت اُڑ، پر کھول
یہ میں ہوں اور یہ مرے بال و پر ہیں کیا کھولوں؟
طلب! مدینے چلیں نیکیوں کے دفتر باندھ
یہاں یہ رختِ سفر ہی نہیں ہے کیا باندھوں؟
نگاہ! دیکھ کہ ہے رُوبرو دیارِ جمال
ہے ذرہ ذرہ وہاں آفتاب کیا دیکھوں؟
دل! اُن سے حرفِ دعا، شیوۂ تمنا مانگ
بلا سوال وہ دامن بھریں تو کیا مانگوں؟
حضور! عجزِ بیاں کو بیاں سمجھ لیجے
تہی ہے دامنِ فن، آستاں پہ کیا لاؤں؟

سرورِ کونینؐ کے ثنا خوانوں نے ہر دور میں اپنے اپنے فکر و اسلوب میں محبت و عقیدت کا والہانہ اظہار کیا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے بعد تو نعت گوئی نے مقدار میں ہر دور کو پیچھے چھوڑ دیا۔ نعت کہنا اور اُس میں کسی بھی اعتبار سے جدت پیدا کرنا، کوئی نیا تجربہ کرنا، چنداں آسان نہیں۔ شاہ روم خان ولی نئی نسل کے عمدہ شاعر ہیں۔ غزل بھی اچھی تخلیق کرتے ہیں۔ اُن کا مجموعہ کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔ اب اُنھوں نے بھی ایک منفرد کام کیا ہے کہ دو چار نعوت نہیں، ایک مکمل مجموعہ ''آفرینش'' کے نام سے شائع کیا ہے جس میں مکالماتی نعوت شامل ہیں۔ دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

اس نے کہا حضور ہمارے رسول ﷺ ہیں
میں نے کہا ضرور ہمارے رسول ﷺ ہیں

اس نے کہا بیان کروں شانِ مصطفیٰ ﷺ

میں نے کہا خدا ہے ثنا خوانِ مصطفیٰ ﷺ

مکالماتی نعتوں میں فکر و خیال کی رفعت اور اسلوبِ بیاں میں ادبی جمال قائم رکھنا آسان کام نہیں لیکن حُبِ رسولؐ میں نعت گو کچھ نہ کچھ نیا تحفہ پیش کرتے رہے ہیں۔ مذکورہ بالا نعوت میں ہر تخلیق کار نے بساط بھر کوشش کی ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹر عاصی کرنالی کا رنگِ سخن کمال جمال آفرینی کررہا ہے اور کیوں نہ ہوتا کہ وہ بہترین شاعر، نعت گو ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ علم، صاحبِ نظر محقق اور نقاد بھی ہیں۔

جہاں تک نظم کا تعلق ہے، اُس میں تو ہیئت کے تجربات انیسویں صدی کی آخری تین دہائیوں میں انجمنِ پنجاب کے زیرِ اہتمام شروع ہو چکے تھے۔ معرا نظم کے بعد آزاد اور نثری نظم نے بھی اپنی راہ بنالی مگر غزل میں ہیئت کے تجربات بہت بعد میں ہوئے۔ غزل میں ایک متنازع فیہ ہئیتی تجربہ "آزاد غزل" کی صورت میں ہوا۔ معروف شاعر مظہر امام کو اولیت حاصل ہوئی کہ انہوں نے ۱۹۴۵ء میں نوعمری کے ایام میں پہلی آزاد غزل کہی۔ البتہ اُس کی اشاعت سہ ماہی "رفتارِ نو" دربھنگا میں جنوری ۱۹۶۲ء میں ہوئی۔ مظہر امام کا مجموعۂ کلام "زخمِ تمنّا" ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تو اُن میں یہ غزل شامل تھی۔ بعد ازاں ۱۹۶۸ ئم یں کرشن موہن کا غزلیہ مجموعہ "غزال" شائع ہوا جس میں ایک اور تجربہ سامنے آیا، اُس میں یہ اختصاص تھا کہ ہر مصرع اولیٰ میں ایک رکن مصرع ثانی کی نسبت کم تھا۔ اِس کے بعد ۱۹۷۸ء میں علیم صبا نویدی کا مجموعہ "ردِ کفر" چھپا تو اُس میں کل ۶۲ غزلیں تھیں جن میں سے بیشتر ہیئت کے اعتبار سے آزاد غزلیں تھیں۔ پاکستان میں سب سے پہلے آزاد غزل کی ہیئت فارغ بخاری کے ہاں اُن کے ۱۹۷۹ء میں شائع ہونے والے مجموعۂ کلام "غزلیہ" میں دکھائی دیتی ہے۔ بعد ازاں قتیل شفائی اور ظفر اقبال نے بھی یہ تجربہ کیا۔ بشیر بدر نے تو نثری غزل کا تجربہ بھی کرڈالا مگر غزل میں یہ تجربات فروغ پا سکے اور نہ ہی نعتیہ ادب میں آزاد اور نثری غزل کی ہیئت کو پذیرائی بخشی

گئی۔اسی طرح سلیم احمد اور ظفر اقبال کے اینٹی غزل جیسے تجربات بھی غزل میں تو کچھ حد تک ہو رہے ہیں مگر نعتیہ ادب کی حساسیت کی وجہ سے ہماری نعوت میں ایسا کوئی رجحان فروغ پانے میں ناکام رہا ہے۔البتہ غزل کی ہیئت کا ایک نقصان کہیں کہیں نظر ضرور آتا ہے۔ اگر چہ یہ نعت نگاری کی مقبول ترین ہیئت ہے مگر پڑھنے میں آیا ہے کہ غزلیہ ہیئت کی نعوت میں کئی ایسے اشعار درآتے ہیں کہ اگر اُن پر نعت کا عنوان نہ ہو یا وہ نعتیہ مجموعے کا حصہ نہ ہوں تو قاری اُنہیں نعت نہیں غزل کا شعر سمجھے گا۔نعت کا شعر چاہے غزلیہ ہیئت ہی کا کیوں نہ ہو، اُس میں بہر حال پیارے نبی جیؐ کے ذکر کی خوشبو ضرور آنی چاہیے۔مابعد جدید عہد کے ایک ممتاز نعت گو کی غزلیہ نعت کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے، کیا اپنی الگ حیثیت میں یہ نعتیہ اشعار کہے جا سکتے ہیں؟۔نظم میں ایک فکری تسلسل اور بہاؤ ہوتا ہے، اُس کی صورت مختلف ہوتی ہے۔غزل کا ہر شعر ایک الگ فکری تخلیق ہوتا ہے۔اُس میں احتیاط از حد ضروری ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

میں اُسے اپنے ہی اک خواب گھروندے میں رکھوں
یہ الگ بات کہ وہ پورے جہان میں چمکے

وقت تھا اپنے ماہ و سال میں گم
دل مگر تھا ترے خیال میں گم

اُداسی دل کے دریچوں سے جھانکتی ہے تجھے
بس ایک لمحے کو تو حیطۂ خرام میں آ

گرفتِ حیرت و بہجت میں ہے وصال گھڑی
کہ میری زیست نے دیکھی ہے اک کمال گھڑی

ماہیا

ماہیا پنجابی سے اُردو میں آیا ہے۔ ماہیا ایک عوامی صنفِ شاعری ہے جس میں محبوب سے

چھیڑ چھاڑ، گلے شکوے، دوری ومجبوری کا ذکراور پیار محبت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ماہیا کے لیے ٹپہ کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ بنیادی طور پر پنجاب کی رہتل بہتل میں رچا بسا ہوا محبت کا گیت ہے۔ اُردو میں عام طور پر یہ "فعلن فعلن فعلن، فعلن فعلن فع، فعلن فعلن فعلن) اور (مفعول مفاعیلن کے وزن پر تین مصارع) میں بھی لکھا جاتا۔ اُردو ماہیا میں چراغ حسن حسرت اور ہمت رائے شرما (نارووال، پنجاب) کو اولیت حاصل ہے۔ اُنہوں نے عمومی طور پر (مفعول مفاعیلن، مفعول مفاعیل، مفعول مفاعیلن) کے ہی وزن پر ماہیے لکھے۔ نصیرالدین نصیر کے چند نعتیہ مصارع ملاحظہ کیجیے جن میں آقاؐ کی کرم گستری کو موضوع بنایا گیا ہے اور آپؐ کی نظرِ کرم کی التجا بھی کی گئی ہے۔ آپؐ رحمت للعالمین ہیں۔ لہٰذا آپ کے فیضان کا ذکر ہماری نعوت کا اہم موضوع ہے۔ یہ تمام ماہیے (مفعول مفاعیلن) کے وزن پر ہیں:

بگڑی کو سنواریں گے
دکھ درد کے عالم میں، تجھ کو ہی پکاریں گے

کیوں اور کسی گھر سے
جو کچھ ہمیں ملنا ہے، ملنا ہے ترے در سے

چوکھٹ تری عالی ہے
کچھ بھیک ملے آقا، جھولی مری خالی ہے

ملنے ہی نہیں جانا
شاہوں کو ترا منگتا، خاطر میں نہیں لاتا

اب کون ہمارا ہے
دولہا شبِ اسرا کے، اک تیرا سہارا ہے

نعتیہ گیت

بیکل اتساہی کے گیتوں میں مقامیت، ہندوستانی تہذیب و معاشرت، ادبی تاریخی شعور سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔اُن کے ہاں اپنی مٹی کی بو باس پورے وسیب کے لوازمات کے ساتھ موجود ہے۔ جدید عہد کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے اُن کے گیت جب برہ کی شاعری سے آگے بڑھے تو موضوعات کی گوناگونی کے قیمتی موتیوں سے اپنا دامن بھر لیا۔اُن کے ہاں اودھی زبان کی محبت کا کھرا پن اور ہندی اُردو کا شیریں اور میٹھا امتزاج ہے۔اُن کے گیتوں کی بہ دولت یہ ممکن ہوا کہ گیت نگاری نے بھی یہ اعزاز پالیا کہ وہ بھی تقدیسی ہو گیا کیوں کہ اُن کے بہت سارے گیت مذہبی جذبات کے ائینہ دار ہیں کہ اُن میں شاعر نے سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ثنا خوانی کا شرف حاصل کیا ہے اور ایک متبرک فریضہ سرانجام دیا ہے۔بیکل اُتساہی کے نعتیہ مجموعے ''سرورِ جاوداں'' میں ''گیت اور نظمیں'' کے عنوان کے تحت بہت سی نعتیہ نظمیں، نعتیہ گیت یا گیت نما شامل ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب میں ہیئت کے حوالے سے غزلیہ نعتیں، ایک آدھ دوہے، نعتیہ مسدس، مخمس، قطعات، نعتیہ گیت یا گیت نما شامل ہیں۔ یہ نعتیہ نظمیں یا گیت مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ مبسوط بھی ہیں۔ گیت نما ''مسکرا دو تو عالم بدل جائے گا'' پانچ پانچ مصارع کے بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کے پہلے چار مصرعے ہم قافیہ اور ہر بند کا پانچواں پانچواں مصرع آپس میں ہم قافیہ ہیں۔ پھر ہر بند کے بعد استھائی کی تکرار ہے۔گیت نما ''وجہِ کُن'' میں استھائی ''آپ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے'' کی تکرار ہے۔ ہر بند میں مصارع کی تعداد اور ترتیب قوافی مذکورہ بالا گیت ہی کی ہے بلکہ بیکل نے زیادہ تر گیتوں میں اسی ترتیب کی پیروی کی ہے۔اسی طرح گیت نما ''حبِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں استھائی ''لذتِ یادِ نبی، ذکرِ نبی، حبِ نبی۔۔۔تو نہیں ہے تو دو عالم میں کوئی چیز نہیں'' کی تکرار ہے مگر گیت نما ''سندیسہ'' میں استھائی ''نگریا جن کی نور بھری، سُن ری پُروا بیار'' کی دو دو مصرعوں کے بند

کے بعد تکرار ہے۔ ہر بند کے یہ دو دو مصرعے آپس میں ہم قافیہ ہیں۔ آٹھ بند کی ایک مبسوط گیت نما کے چند بند ملاحظہ فرمائیے کہ بیکل نے کس عمدہ اسلوب میں نبی ﷺ کی مسکراہٹ کو موضوع بنایا ہے۔ اِس گیت نما میں مناظرِ فطرت سے کام لیتے ہوئے رسول اللہ کی مسکراہٹ کی شان بیان کی ہے، آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نظم بیکل کو حالی کے مکتبِ فکر سے بھی ملا رہی ہے کہ ناعت نے امت کے اجتماعی دکھ درد بھی بیان کیے ہیں کہ کفر و ظلمت کی تاریکی امت پر مسلط ہے، حضور ﷺ آپ مسکرا دیجیے کہ آپ کی مسکراہٹ آفتاب کی کرنوں کی صورت اندھیروں کا سینہ چیر سکتی ہے:

ساقیٔ حوضِ کوثر حبیبِ خدا
مونس بیکساں حشر کا آسرا
اے چٹائی نشیں اے شہ دوسرا
سرورِ انبیا احمد مجتبےٰ
گیسوؤں والے ، اے کملی والے سجن
مسکرا دو تو عالم بدل جائے گا

یہ مہکتے ہوئے گل چمن در چمن
یہ گلاب اور یہ نرگس و نسترن
سبزہ زاروں کی رعنائیوں کی پھبن
لے اڑی ہو صبا بوئے مشکِ ختن
یہ پپیہا وہ کوئل ہوئی نغمہ زن
مسکرا دو تو عالم بدل جائے گا

دونوں جگ سے سگھرا آمنہ کا للن
چومیں چاند و سُرج جھکے کومل چرن

جھکا مرجھل جھلے خُلد کا بانکپن
جھکی چوکھٹ بہارے ارم کی پون
کہکشاں کہہ رہی ہے یہ ہو کے مگن
مسکرا دو تو عالم بدل جائے گا

لُٹ رہا ہے چمن، جھومتی ہے خزاں
دین و ملت کے لٹنے لگے کارواں
ہر طرف کفر و ظلمت کا چھایا دھواں
ہر نظر تیرگی ہر قدم آندھیاں
آفتابِ ازل کی ہو پہلی کرن
مسکرا دو تو عالم بدل جائے گا

ارتقا کسی ایک فرد یا عہد کا منت کش نہیں ہوتا۔ اِس میں لا تعداد افراد اور کئی ادوار کی مساعئ جمیلہ شامل ہوتی ہے۔ ہمارے دور تک آتے آتے، نعت نگاروں نے ادب میں کئی معرکے سرانجام دیئے ہیں۔

پہلے غزلیہ ہیئت میں مجازی محبوب کے حوالے سے طبع آزمائی کو محبوب و مرغوب تصور کرتے تھے۔ آج کے شعرانت نئی تراکیب اور لفظیات، متنوع بحروں اور خود تراشیدہ زمینوں میں نعتیہ کلام لکھ رہے ہیں، مسلم دنیا میں نعتیہ شاعری غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ، قصیدہ، ثلاثی، مربع، مسدس، مخمس، دوہا، کہہ مکرنی، چھند، چوپائی، سانیٹ، ہائیکو، ترائیلے، ماہیے وغیرہ کی اصناف میں لکھی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکیسویں صدی کو نعت گوئی کی صدی خیال کیا جارہا ہے۔ یہ بھی باعثِ اطمینان ہے کہ نعت لکھتے وقت غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی وغیرہ کے پیرایۂ زبان و بیان میں یقیناً تازہ کاری اور جدت آئی ہے۔

مراثی میں نعت

مرثیہ کی صنف میں کسی مرنے والے کی تعریف بیان کی جاتی ہے اور ساتھ ہی اظہارِ غم بھی کیا جاتا ہے۔اسی لیے کربلا کے شہدا ؑ کے بیان کو رثائی ادب کہا جاتا ہے۔مرثیہ بھی رثا ہی سے نکلا ہے۔ ویسے تو کسی بھی انتقال کرنے والے کا مرثیہ لکھا جا سکتا ہے مگر اُردو ادب میں جب بھی مرثیہ کا ذکر آتا ہے تو ذہن فوراً شہدائے کربلا کی طرف چلا جاتا ہے۔حمد و نعت کی طرح یہ صنفِ ادب بھی تقدیسی ادب میں شمار کی جاتی ہے۔شہدائے کربلا کے مراثی کا آغاز سرزمینِ دکن سے ہوا، ابتدائی مرثیہ نگاروں میں قطب مشتری اور سب رس کے شاعر ملا وجہی ،غواصی لطیف ، کاظم، افضل، شاہی ،مرزا اور ہاشمی کے مرثیے لکھے۔شمالی ہند میں قصیدے کے بڑے شاعر سودا نے بھی ۹۱ لاجواب مرثیے مسمط میں لکھے۔ایک بڑی تعداد یہاں موجود تھی جن میں مصحفی ،سید محمد تقی، اشرف علی فغاں، نظیر اکبر آبادی، قائم، میر باقر علی باقر، شرف الدین شرف ، حیدر بخش حیدری، میر سعادت علی سعدات اور اسی طرح بے شمار نام ہیں جنہوں نے مرثیے لکھے۔ دہلی میں بھی مسکین، غمگین اور حزیں کے علاوہ میر اور سودا نے مرثیے لکھے۔لکھنو میں مصحفی کے تلامذہ مظفر حسین ضمیر اور میر خلیق نے مرثیے کو جدید دور سے ہم آہنگ کیا۔ضمیر سے پہلے یہ باقاعدہ فن نہیں تھا اور طویل مراثی بھی نہیں لکھے جاتے تھے۔لیکن اِس فن میں جس قدر میر ببر علی انیس (۱۸۰۲ءتا ۱۸۸۰ء) اور مرزا سلامت علی دبیر (۱۸۰۳ءتا ۱۸۷۴ء) کو حاصل ہوئی وہ تاریخِ ادب میں کسی اور کا حصہ نہ بن سکی۔انیس کا خاندان فیض آباد اور دبیر کا دہلی سے لکھنو میں آ کر آباد ہوا اور انیس و دبیر کے خوب معرکے ہوئے۔

مرثیہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس میں نعتیہ عناصر مل جاتے ہیں ۔مرثیہ نگاروں کی ایک طویل فہرست دی جا سکتی ہے کہ جن کے مراثی میں نعوت موجود ہیں۔ میں نے مذکورہ بالا سطور میں ذکر کیا ہے کہ مظفر حسین ضمیر کے بعد طویل مراثی لکھے گئے اور مرثیہ نگاری نے ایک فن کی

شکل اختیار کی لہٰذا طویل مراثی میں نعتیہ عناصر بھی زیادہ نمایاں ہوئے۔ ویسے تو تمام ہی مرثیہ نگاروں نے نعت بھی لکھی ہے مگر مندرجہ ذیل سطور میں ہم صرف مراثی کا ذکر کریں گے جن میں نعتیہ بند موجود ہیں۔ ایسے مراثی کی فہرست طویل ہے مگر بطور نمونہ چند نعوت کے بند پیش ہیں۔ آغا سکندر مہدی ۱۹۲۶ء رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے۔ ۱۹۷۶ء بہاول پور میں انتقال ہوا۔ ماہ نامہ ''قیام'' کراچی نے ۱۹۷۸ء میں سکندر مہدی نمبر شائع کیا۔ اِس نمبر میں شامل مرثیہ نمبر ا میں کافی نعتیہ بند ہیں۔ صرف ایک نعتیہ بند ملاحظہ کیجیے:

حکمِ معبود سے جب نورِ محمدؐ چمکا
کوئی معبود نہ تھا، خالقِ یکتا کے سوا
نہ زماں تھا نہ مکاں تھا نہ خلا تھا نہ فضا
اور تو اور ہے خود عالمِ امکاں بھی نہ تھا
آئینہ حسنِ حقیقی کا تھا، یکتائی تھی
ہر طرف نورِ محمدؐ کی ضیا چھائی تھی

سیّد شان حیدر (بے باک امروہوی) ۱۵ نومبر ۱۹۴۶ء کے روز امروہہ (ہندستان) میں پیدا ہوئے۔ دو ایم اے اور ایم ایس سی ریاضی میں کیا۔ درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ اُن کے ایک مطبوعہ مرثیہ سے نعتیہ بند ملاحظہ کیجیے:

ساری دنیا کے لیے رب کی عنایت احمدؐ
نورِ حق، نورِ ازل صاحبِ عظمت احمدؐ
پیکرِ علم و عمل، پیکرِ عصمت احمدؐ
وجہِ تخلیقِ جہاں، باعثِ رحمت احمدؐ
دونوں عالم کی ہر ایک شے کو وہ پہچانتا تھا
نورِ ازل تھا اسی واسطے سب جانتا تھا

(۲)

اسلوب

ایک عام معیار کا شاعر الفاظ سے وہی معنی اخذ کرتا ہے جنہیں ہم ''وضعی یا لغوی معنی'' کہتے ہیں جو مستقل اور معین ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ ہماری روزمرہ گفتگو کے علاقہ لغت میں بھی بڑی تعداد میں موجود ہوتے ہیں لیکن ایک اعلیٰ سطح کا تخلیق کار الفاظ سے تعبیری معنی بھی اخذ کرتا ہے۔الفاظ کو علامت اور استعارے میں بدلتا ہے۔ ہماری نظم اور غزل میں لفظ کو تہہ داری اور کثیر المعنویت کے ساتھ برتنے کا چلن عام ہے مگر نعت گوئی میں شاید ہم اِس معیار تک نہیں پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے جیسے کئی باذوق افراد حمد و نعت کی تحقیق و تنقید کے شعبے کو مزید بہتر بنانے پر زور دیتے ہیں تا کہ نعت نگاری کا ہیئتی اور اسلوبیاتی معیار بلند کیا جا سکے اور اِس میں یکسانیت کے احساس سے دامن بچایا جا سکے۔ ہر شاعر کا اپنا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے۔کوئی حالی کی نیچرل شاعری کو بہتر شاعری قرار دیتا ہے اور کوئی ڈاکٹر جانسن کی طرح اِس سوچ کا حامی ہوتا ہے کہ شعر گوئی میں ایک طرف تو اکھڑ اور بہت عمومی نوعیت کے الفاظ سے پہلو تہی کرنی چاہیے تو دوسری طرف اِس قدر نامانوس الفاظ کا سہارا بھی نہ لیا جائے کہ ابہام پیدا ہو اور غرابتِ لفظی کا احساس ہو، اِس لیے کسی بھی شعری و نثری تخلیق کا لسانی تجزیہ ضروری ہوتا ہے تا کہ کسی تخلیق کے لسانی معیار کا اندازہ کیا جا سکے۔ یہ جانا جا سکے کہ کس نے الفاظ کا یک رخا استعمال کی

اور کس نے تخلیقی استعمال کو فروغ دیا۔ ہر بہتر نعت گو لفظ بندی پر خاص توجہ دیتا ہے اور انفراد پیدا کرتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ممکن ہے کہ کسی تحریک سے منسلک بہت سے تخلیق کاروں کا اسلوبِ تحریر ملتا جلتا ہو۔

ایک دوسری صورت اور سوچ بھی ہے، ہم ہرگز اُس کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ ادب اور شاعری کی زبان بہر حال ایک عام آدمی کی گفتگو کے اسلوبیاتی معیار سے بہت بلند ہوتی ہے اور اُسے ہونا بھی چاہیے کہ علم و ادب زبان و بیان میں وسعت کا سبب بنتا ہے۔ زبان اور اُس کی لغت کوئی جامد و ساکت شے نہیں ہے۔ یہ بھی ارتقا پذیری کا حصہ بنتی ہے۔ اِس لیے نعت نگاری میں بھی جس قدر ہو سکے بہتر ڈکشن کو اپنایا جانا چاہیے ہاں مگر نعت نگاری کا معاملہ بہت نازک ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے عہد کی نعت اپنے طرزِ فکر و احساس اور زبان و بیان میں ہمارے دور میں سانس لے رہی ہے۔ ریاض حسین چودھری زندگی کے آخری ایام میں درست فرما گئے:

> ''۲۱ ویں صدی کا ہر روشن دماغ فرسودگی کی نفی کر کے اپنے اندر تخلیقی تازگی اور نئے پن کو محفوظ رکھتا ہے۔ جدید اُردو نعت کے ہر منطقے کا یہی موسم ہے۔ دل کش اسلوبِ مدحت نئی لفظیات سے ہاتھ ملا رہی ہے۔''

خیالِ شعر پہ صد برگ کھلنے والے ہیں
خیالِ شعر کو چھو کر گئی ہے بادِ نسیم

(جاوید عادل سوہاوی)

ثنائے مصطفٰی کے باب میں کسی قسم کے غلو، اشتہار بازی اور بازاری زبان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے سودا، ذوق اور انشا نے اپنے قصائد میں کئی مقامات پر غلو کی حد کی ہے۔ انیس و دبیر کے ہاں بھی مراثی میں زیبِ داستاں کے لیے بہت کچھ مل جائے گا۔ نعت کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔ یہ کھرے جذبات اور عشق و محبت کے پاکیزہ جذبے کی عکاس

ہوتی ہے۔نعت البتہ ایک لسانی تخلیق ہے۔لٰہذا زبان و بیان سے وابستہ جمالیاتی عناصر اور خوبیوں کا ایک طرف تو نعت گو کو خیال رکھنا چاہیے اور دوسری طرف نعت کے تنقید نگاروں کو بھی نعوت کے لسانی تحلیل کے ذریعے علمی و جمالیاتی معیار کا جائزہ ضرور لینا چاہیے۔میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ نعت گو مغرب کے علامتی نظام کی طرح نعت کو علامتوں کا چیستان بنا دیں لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اتاولے پن میں کسی جمالیاتی طرزِ احساس اور اسلوبیاتی رعنائی کے بغیر رواجی نعوت کے انبار لگاتے چلے جائیں۔لفظ کا استعمال فنی مشاقی کے ساتھ کریں۔

محبت کی مرکزیت اور داخلی جذبات و احساس کی بنیاد پر شعر میں تاثیر اور غنائیت پیدا کرنا کوئی بڑا کمال نہیں۔سخن ور کی عظمت وہاں سامنے آتی ہے جہاں وہ ادب برائے ادب کے نظریے سے ہٹ کر مذہبی، اخلاقی اور سیاسی مضامین کو اپنے کلام میں جگہ دیتا ہے اور اپنی تخلیقات میں لسانی اور ہئیتی حسن و جمال قائم رکھتا ہے اور اپنے فکر و خیال کی رفعت و عظمت پر بھی حرف نہیں آنے دیتا۔وہ غزل ہو یا نعت، جہاں معاملہ عشق و محبت کا ہوتا ہے وہاں لاشعور و وجدان شعر گوئی کی بنیاد ضرور بنتے ہیں اور بہت حد تک شاعر کی ذہن میں فکر و خیال کا انکشاف لا شعوری ہی ہوتا ہے مگر جب وہ انکشاف، ترسیل اور اظہار کی سطح پر آتا ہے تو نعت گوئی میں اُسے مکمل طور پر شعور و ادراک کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا ہوتا ہے۔اِس مرحلے پر تخلیق کار کو اپنے مواد پر مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ اُس کی لفظ بندی کیسے کرتا ہے۔ہمارے عہد میں ایسے نعت گو بھی سامنے آئے ہیں جو اسلوبِ بیاں میں آرائش اور صناعی کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ غزل کی طرح نعت گوئی میں بھی بہت سے مضامین تکراری ہوتے ہیں۔اُن کا نعوت میں اعادہ نظر آتا ہے لٰہذا کلام کا بے رنگ، سپاٹ اور رواجی ہونا بہت عمومی بات ہے۔ اِس صورت حال میں فکر و خیال کو جو چیز انفرادیت عطا کرسکتی ہے وہ ہیئت بھی ہے اور اسلوبِ بیاں بھی۔لفظ اُسے تکثیرِ معنی سے آشنا کرتا ہے۔اِسی وجہ سے تحریر، تقریر سے برتر ہے کہ تقریر تکثیر معنی کی حامل نہیں ہوتی۔ہر تخلیق اگرچہ ایک مخصوص عہد کے مخصوص رجحان کی عکاس ہوتی

ہے مگر جہاں تک ہماری زبان اور اُس کی اصناف کا تعلق ہے تو سیکڑوں برسوں کے ارتقا کے بعد اِس نہج پر پہنچی ہیں ۔غور کیا جائے تو زبان اپنے ابتدائی زمانے میں اِس طرح تو ہرگز نہیں ہوگی۔ کبھی انسان بھی اشاروں سے کام لیتا ہوگا اور جانوروں کی طرح آوازیں نکالتا ہوگا۔ بھوک، پیاس اور خوف کے اظہار کے لیے اشارے ہی کافی تھے مگر انسان کے کچھ جذبات ایسے رہے ہوں گے جن کا اظہار صرف اشاروں سے ممکن نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے یہ جذبہ عشق و محبت ہی کا جذبہ ہو۔اسی طرح نعت کا اسلوب بھی ایک دن یا ایک شخص کی ریاضت کا نتیجہ نہیں ہے۔ یہ بھی ایک نعتیہ تہذیب کا حصہ اور ثمر ہے۔

نعتیہ ادب بھی تخلیقی ادب ہے۔مزید برآں اِس کا تعلق ہادیٔ برحق پیغمبرِ اسلامؐ سے ہے اِس لیے ہم اِس سے بھی اُسی طرح حظ اٹھاتے اور انبساط کشید کرتے ہیں جس طرح دیگر شعری اصناف سے لطف اٹھاتے ہیں اور اِس کے مطالعے کا لطف بھی قارئین یقیناً دو چند ہوتا ہوا محسوس کریں گے جب وہ اسے بھی تنقیدی طور پر پڑھیں گے ۔اُس کا موضوع اللہ کے بعد عظیم ترین ہستی ہے مگر اُن سے متعلق کلام فکر و خیال ،تلفیظ اور ہیئت کے اعتبار سے انسانی کاوش ہے اور اُس کے معیار پر بات ہوسکتی ہے۔ میں اِس کو بہتر سمجھتا ہوں ۔ اِس میں ہرگز کوئی قباحت نہیں کہ ہئیتی تنوع، صناعتِ حسن، اسلوبیاتی تہہ داری، علامت و استعارے اور شعری ترکیبوں کے ذریعے مثالی بنایا جاسکتا ہے۔میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم شعری روایت اور نعتیہ تہذیب کو فراموش کر کے ایک نیا آغاز کر دیں ۔ایک اچھا تخلیق کار صنفِ شعر کی روایت اور تاریخ سے کلی طور پر واقف ہوتا ہے۔ وہ اپنی تخلیقی جڑیں روایت میں پیوست رکھ کر حال کی فضاؤں میں سانس لیتا ہےاور ہر صبح کے سورج کے استفادہ سے زندگی کا کلوروفل تیار کرتا ہے۔

ہمارے ہاں کسی تخلیق کا ادبی جائزہ لیتے وقت عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ تنقید نگار اسلوبیاتی مطالعے کو سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ اِس طرح کا معروضی مطالعہ قدرے پیچیدہ بھی ہوتا ہے۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اسلوبیاتی تجزیے میں جن عوامل وعناصر کو شامل کیا تھا،اُن میں :

اصوات: استعمال ہونے والے الفاظ اور ردیف قوافی وغیرہ آہنگ

لفظیات: خاص طرح کے الفاظ کا ایک ترکیب اور تواتر میں وارد ہونا، لفظی صنعتوں کا استعمال

بدیعی (بدیع و بیان): تشبیہ، استعارہ، علامت، تلمیح، کنایہ، تمثیل اور امیجری وغیرہ

نحویاتی: کلمے میں الفاظ کی دروبست وغیرہ

اسلوبیاتی تنقید میں لسانی جائزہ اور اسلوبیاتی خصائص بھی شامل ہوتی ہیں (محض لسانی جائزہ نہیں)۔ لہٰذا اگر کوئی تخلیق (غزل کے برعکس) اپنے متن کے اعتبار سے بسیط ہے جیسے ناول تو اُس کا اسلوبیاتی جائزہ اتنا ہی مشکل ہوتا ہے کیوں کہ تنقید نگار کو مکمل متن ذہن میں رکھنا پڑتا ہے۔ ہماری نعوت میں کئی باکمال شعرا نے تکرارِ لفظی کے بہترین نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ اِس طرح کے اعادے سے شعر میں بہترین صوتی آہنگ اور ترنم پیدا ہوتا ہے۔ کلام میں شدت اور احساس کی لو تیز محسوس ہونے لگتی ہے۔ زورِ بیاں پیدا ہوتا ہے اور جذباتی کیفیت کا عمدہ اظہار ہوتا ہے۔ لیکن نثر میں اگر تکرار ایک سطح سے ذرا بھی متجاوز ہو جائے تو سقم پیدا ہوتا ہے۔ کئی بار یہ تکرار الفاظ کی مترادفات یا متضادات کے جوڑوں کی صورت میں بھی ہوتا ہے اور کبھی صوتی اعتبار سے ایک طرح کے الفاظ کی تکرار ہوتی ہے۔ دونوں کا اثر سماعتوں پر مختلف ہوتا ہے لیکن تناسب بہر حال ہر جگہ اہم ہوتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ تقدیسی ادب میں جہاں ہم عبد و معبود، خالق و مخلوق اور افراط و تفریط جیسے معاملات پر بات کرتے ہیں۔ جہاں اُس میں فکر و خیال کی روایت اور جدت پر بات کرتے ہیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ نعت کی لسانی اور اسلوبیاتی جہات پر بھی عمیق گفتگو کریں تا کہ نعت گوؤں میں یہ احساس اور بھی شدت کے ساتھ پیدا ہو کہ فن پارے کے معیار میں فکر و خیال کے ساتھ اظہار کے سانچوں اور طریقِ کار کی بھی بہت اہمیت ہے۔ متن کی شرح و تفہیم کے ساتھ اُس کے اسلوبیاتی و لسانی اوصاف کی عقدہ کشائی کرنا اور انہیں سامنے لانا ضروری

ہے۔لسانی امتیازات کا جائزہ لیے بغیر ناقدینِ فکروفن کب تک صرف مضامین پر بات کرتے رہیں گے۔تخلیق کا انفرادتو بہر حال اسلوبِ بیاں ہی سے قائم ہوتا ہے۔فکری بالیدگی ، فنی پختہ کاری اپنی جگہ لسانی اپج اور قرینے کم اہم نہیں ہوتے۔فکروخیال کی محض پیش کش، زبان کی تخلیقی پیش کش کی برابری نہیں کرسکتی۔تخلیق کا مجموعی حیثیت میں جائزہ ادبی دانش اورانصاف کا تقاضا ہے۔

تلمیحات

ہم جانتے ہیں کہ شاعری ایجاز واختصار، رموز وعلائم اوراشارے وکنایے سے کام لے کرانہیں محاسنِ کلام بناتی ہے۔اصطلاح،علامت،استعارہ اور تلمیح کی غیر موجودگی میں شاعر کو مفاہیم واضح کرنے اور بہت سی باتوں کے بیان کرنے میں اپنی ذہنی وفکری صلاحیت و استعداد صرف کرنا پڑے گی۔یوں شعرا وادبا کی تخلیقی توانائی ایک غیر تخلیقی کام میں صرف ہوگی۔ وقت کا زیاں الگ ہوگا۔ایک اور بات کہ ہم جس عہد میں سانس لے رہے ہیں وہ داستان سے ناول، ناول سے ناولٹ، ناولٹ سے افسانے اور افسانے سے افسانچے کا زمانہ ہے لہٰذا تلمیحات کی اہمیت پہلے سے بڑھ گئی ہے۔اپنے اپنے علم اور مطالعے کی وسعت کے مطابق تخلیق کاروں نے تلمیحات کا استعمال کیا۔تلمیحات ادبی، تاریخی، اساطیری، شخصی، سیاسی اور صوفیانہ بھی ہوتی ہیں مگر ہمارے تمام بڑے شعرا مثلاً غالب، اقبال اور فیض وغیرہ نے زیادہ تر تلمیحات اسلام اور دیگر مذاہب سے لی ہیں۔خاص طور پر اقبال کی تلمیحات کا کینوس بہت بسیط اور وسیع ہے۔اقبال کی چند تلمیحات ملاحظہ کیجیے جو اُنھوں نے تاریخِ اسلام سے کشید کی ہیں۔اویسؓ، بلالؓ، بوعبیدہؓ (جنگ یرموک)، بولہب، پیرِ کنعان، خاتمِ سلیمان، حرا، خواجۂ بدر وحنین، عمرؓ، عنتری (عنتر سے عنتری؛ حق کا مخالف جنگجو تھا)، عیسیٰ، نوحؑ، سورۃ رحمن، صاحبِ مازاغ (رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے، آیت کا مفہوم: پیغمبر کی آنکھ اُس وقت بھی

نہیں نہ بھٹکی)،فلسفۂ ذات وصفات (قران حکیم نے بعض چیزوں سے متعلق زیادہ غوروفکر سے منع کیا ہے جیسے خود خدا کی ہستی)،قم باذنِ اللہ، لا الہ الا اللہ، والنجم، برزخ، غیبتِ صغری (موت)،کلیسا، اسرافیل، اسماعیلؑ، بدروحنین، زہراؓ، شعیبؑ، فرعون، فرقان، لا تذر، لاتخف، لاتقنطوا (اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے)، لاتحزنون، یسینا وراسی نوعیت کی لا تعداد تلمیحاتی شعری کتب کا مطالعہ انسان کا فکری کینوس وسیع کرتی ہیں۔اگر چہ مذکورہ بالا اسطور میں نعت گوئی کے حوالے سے لسانی اور اسلوبیاتی اوصاف پر بات کی گئی ہے مگر نعت سے نازک موضوع لیے محض زبان و بیان پر قدرت کافی نہیں بل کہ تاریخِ اسلام، کتب احادیث اور سیرتِ طیبہ ﷺ پر لکھی ہوئی مستند کتب سے استفادہ بے حد اہم اور بنادی تقاضا ہے۔تاکہ علمی اعتبار سے کوئی بات خلافِ حقیقت نہ ہوتا کہ اِس مقدس موضوع میں کسی غلو کا شائبہ تک نہ آنے پائے۔

سنگ ریزوں نے رسالت پہ گواہی دی ہے
حبّذا، مرتبۂ صاحبِ معراج و کتاب
(راغب مُرادآبادی)

طائف کا سفر ہو کہ مدینے کی ہو ہجرت
منہاجِ عمل آپؐ ہیں۔معراجِ یقیں آپؐ
(عبدالکریم ثمر)

خواب میں تو نے بوصیریؒ کو دِرا بخشی تھی
ہو کرم مجھ پہ بھی اک بار رسولِ عربی ﷺ
(حافظ مظہر الدین)

چشمہ ترے بیان کا غارِ حرا کی خامشی
نغمہ ترے سکوت کا نعرۂ فتح خیبری

(جوش ملیح آبادی)

اُسی کے روئے تاباں سے مثالِ آئنہ زم زم
اُسی کے ذکر کا سیلِ فراواں خانۂ کعبہ میں

(قیوم نظر)

طوافِ بوئے نبیؐ میں تھی عنکبوت اگر
تو سانپ دید کی خاطر پہاڑ میں تھا مقیم

(جاوید عادل سوہاوی)

حنین و طائف و بدر و اُحد سے عام مقام
رسولِ پاک کی نسبت سے عالی شان بنے

(ارشد شاہین)

منفرد ردیف

ہمارے ہاں فی زمانہ بہت سے نعت گو اپنی فنی مہارت اور فکری منہاج ومعراج کی وجہ سے قدرے مختلف اور منفرد ردیفوں میں شعر گوئی سے انفرادیت کا ثبوت دیتے رہتے ہیں۔ اگر فنی دسترس ہے اور اشعار میں لسانی اجنبیت محسوس نہ ہو تو یہ اشعار کا اسلوبیاتی وصف بھی بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ممتاز نعت گو مقصود علی شاہ کی مطافِ حرف سے چند منفرد ردیفیں ملاحظہ کیجیے جن کی موجودگی میں رواجی وروایتی نعت گوئی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپؐ تازہ کاری کے احساس سے دامن نہیں چھڑا سکتے:

''قلبِ تپاں سے آگے، ناتما لیے، اتم ہیں، دم بخود، پانچ سو ستر اُترا، حیرت چپ ہے، پیکر باندھوں، اپنا بردۂ دل، خواب وخیال منفعل، وصال گھڑی، رابطہ تو ہے''۔

ردیف بھی چوں کہ ایک لفظ یا چند الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے لہٰذا ہم لسانی یا اسلوبیاتی

جائزے میں اُس پر بات کر سکتے ہیں۔عتیق الرحمن صفی کی ایک نعت ملاحظہ کیجیے جس میں ایک بالکل ہی منفرد اور مختلف ردیف ''چائے پیتے ہیں'' کے ساتھ نعت میں مضمون آفرینی کی کوشش کی ہے، ایسی ہر کوشش زبان کو بگارنے کے لیے نہیں بلکہ جدت اور انفرادیت پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہے کہ قارئین یکسانیت سے اکتاہٹ محسوس نہ کرنے لگیں۔ الفاظ بھی اکھڑ یا اجنبی نہیں ہیں کہ ہم اِس کوشش کو غرابتِ لفظی کہیں ۔ یہ عام، رواجی اور روایتی راستے سے انحراف ہے۔صفی فنی اعتبار سے ایک پختہ کار شاعر ہیں۔اُنھوں نے یہاں شعری صنعتوں کا استعمال کر کے کوئی ایسی انفرادیت قائم نہیں کی کہ جس سے کسی بھی طرح کا الجھاؤ یا پیچیدگی پیدا ہو۔اُن کی غزلیہ نعت کی بنیاد ردیف کا انفراد ہے اور اِس بات سے قطعِ نظر اُنھوں نے نعت میں کلی طور پر نعت گوئی کی ادبی تہذیب کا خیال رکھا ہے۔صفی کی نعت کے مطلع پر غور کیجیے کہ اُس میں مکہ اور مدینہ دونوں مقدس مقامات میں باسیوں کے مزاج کا اندازہ ہو رہا ہے۔دیگر اشعار میں اُس شہرِ اقدس کا تصور بھی ہے اور سائل کی معروضات بھی ہیں۔ کلام میں ''زم زم'' کی تلمیح بھی اندھیرے میں جگنو کی طرح اڑ رہی ہے اور سبز گنبد کی پاکیزہ فضاؤں سے عقیدت و محبت بھی۔ مختصر یہ کہ دیارِ رسول کا خیال دل میں بسا کے چائے پینے کا جو لطف و سرور ہے، وہ ہر مثال سے ماورا ہے:

جو مکہ میں نگاہوں کو اُٹھا کر چائے پیتے ہیں
مدینہ میں وہ نظروں کو جھکا کر چائے پیتے ہیں
کسی بھی اور کوچے میں مزا بالکل نہیں آتا
چلو طیبہ کی گلیوں میں ہی جا کر چائے پیتے ہیں
یقیں جانو بڑا ہی لطف دیتی ہے کہ جب دل میں
ارادہ سوئے طیبہ کا بسا کر چائے پیتے ہیں
کوئی مشروب دنیا کا پھر اُس جیسا نہیں لگتا

گنہگار اپنے رب کو جب منا کر چائے پیتے ہیں
دکھی دل، در بدر، مایوس، بے بس اور بے چارے
اُنھیں اپنے سبھی دُکھڑے سنا کر چائے پیتے ہیں
وہاں کی چائے جیسی تو کوئی چائے نہیں یارو
وہاں زم زم سے ہم اپنی بنا کر چائے پیتے ہیں
بڑا دل شاد ہوتا ہے مدینے کی فضاؤں میں
نظر گنبد پہ جب ہر پل جما کر چائے پیتے ہیں
ہمیں تو چائے پینی ہے فقط اُن کی محبت کی
سو اُس میں ہم عقیدت بھی ملا کر چائے پیتے ہیں
جو اُن کی چاہ میں لکھی گئی ہے اک عقیدت سے
زمانے کو وہ نعت اُن کی سنا کر چائے پیتے ہیں
وہاں پر چائے پینے کا صفیؔ بس اِک تقاضا ہے
وہاں دنیا و ما فیہا بُھلا کر چائے پیتے ہیں

لفظی تکرار

کئی ایک نعت نگاروں کے ہاں لفظوں کی آواز، قوافی کی تکرار، بحر و وزن اور الفاظ کی خاص کی نشست و برخاست سے ایک مخصوص لہجے کو تخلیق کرتے ہیں۔ ہمارے بعض نعت گوؤں کے ہاں ترنم بھی عوامی لب و لہجے سے قریب تر ہے۔ درج ذیل چند نعتیہ اشعار میں داغ، رئیس اور معراج جامی وغیرہ نے الفاظ کو خوبی سے برتا ہے۔ الفاظ کے ایسے جوڑے بنائے ہیں کہ جس سے ایک دل کش آہنگ نے جنم لیا ہے۔ یہ انتخابِ الفاظ کا زبردست ملکہ اور قدرتِ سخن کی بات ہے۔ الفاظ ہرگز ادق اور مشکل یا اجنبی نہیں ہیں۔ بات صرف اُن کے ایک

خاص قرینے سے برتنے کی ہے۔کلام کی فصاحت ملاحظہ فرمائیے جواس بات کا ثبوت ہے کہ لفظوں کی شعبدہ بازی نہیں۔ نہ تصنع اور آرائش اِس نوعیت کی ہے کہ جبر کا پہلو نمایاں ہو۔ بات صرف ہُنر مندی اور سلیقہ شعاری کی ہے۔فنی ریاضت کی ہے کہ مترادفات ومماثل الفاظ کے ایسے جوڑے بنائے جائیں جوکلام میں حسن و جمال کا باعث بنیں۔ داغ کی مشہور غزلیہ نعت کے اشعار میں ردیف ''خوب ہوا'' کی تکرار کہیں بھی محلِ نظر نہیں ہے۔ یہ تکرار حسنِ کلام کا سبب ہے۔تین مصارع میں صوتی اعتبار سے ماثل الفاظ کا استعمال قرینے سے کیا گیا ہے جوداغ کے استادانہ مقام پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے۔تیسرے مصرع میں رسل کی تکرار روانی کے ساتھ جمال آفریں بھی لگ رہی ہے۔ رئیس کے قطعات ہماری سیاسی ،سماجی اورادبی تاریخ کا حصہ ہیں۔اُن کے قطعہ کا مصرع اولی استفہامیہ ہے۔جس کی وضاحت بھی دیگر تین مصارع میں خود ہی کررہے ہیں۔اُنہوں نے حسنِ ازل اور جمالِ ابد کو عناصرِ فطرت میں تلاش کر کے اظہار کے لیے الفاظ کے دل کش جوڑے ترتیب دیئے ہیں۔قاری کی بصارت اور سامع کی سماعت پر خوش کُن اثرات مرتب کررہے ہیں۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ عناصرِ فطرت کے حسن کی فن کارانہ پیش کش نے تخلیق کوحسین ادبی شہ پارہ بنادیا ہے:

تو جو اللہ کا محبوب ہوا، خوب ہوا
یا نبیؐ خوب ہوا، خوب ہوا، خوب ہوا
اے شہنشاہِ رُسل، فخرِ رسل، ختم رسل
خوب سے خوب، خوش اسلوب ہوا، خوب ہوا
(داغ دہلوی)

کس کا جمالِ ناز ہے جلوہ نما یہ سو بہ سو؟
گوشہ بہ گوشہ، در بہ در، قریہ بہ قریہ، کو بہ کو
میری نگاہِ شوق میں حسنِ ازل ہے بے حجاب

غنچہ بہ غنچہ، گُل بہ گُل، لالہ بہ لالہ، بو بہ بو

(رئیس امروہوی)

عاصی کرنالی ایک قادرالکلام اورزود گوشاعر تھے۔ابتداغزل سے کی مگر بعد میں نعت ہی کہنے لگے۔تقریباً ڈیڑھ درجن کتب کے خالق تھے جن میں ۱۱ شعری مجموعے بھی شامل ہیں۔آپ کے نعتیہ کلام میں نعتیہ مدحت، جاوداں ،حرفِ شیریں اور آوازِ دل اہم ہیں۔ان کی نعتوں کے مجموعے" نعتوں کے گلاب" کوصدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔آپ کی نعتوں کے مجموعوں کی تعداد زیادہ ہے۔آپ زبان و بیان پر قدرت رکھتے تھےآپ کی نعتیہ شاعری نعتیہ ادب میں ایک موثر حوالہ ہے۔

آپ نے مترنم بحور کا استعمال بھی خوب کیا ہے جن میں وہ لفظی تکرار سے خوش کن آہنگ پیدا کرتے تھے۔ الفاظ کی تکرار خوب صورت صوتی آہنگ پیدا کرتی ہے۔ظہورِقدسی اور اُس سے پہلے کے حالات پر طفیل ہوشیار پوری، راسخ عرفانی، ماہرالقادری،جگن ناتھ آزاد، یزدانی جالندھری، اقبال عظیم، حفیظ تائب، ریاض حسین چودھری، حافظ لدھیانوی،قمر یزدانی، حافظ مظہرالدین اور دیگر بہت سے نعت گوؤں نے نعتیں لکھی ہیں۔ دنیا میں بیداد کا سکہ جاری تھی، اللہ کریم کی ہستی گمان تھی، وہم تھی۔کوبہ کوصنم خانےآباد تھے۔انسان اپنے ہی تراشے ہوئے لات وہبل کے سامنے سجدہ ریز تھے۔کفروباطل کی تاریکیوں میں انسانیت خوار تھی، بھٹک رہی تھی۔آخرت اور جزاوسزا کا کوئی تصور موجود نہ ہونے کی وجہ سے انسان پر انسان کی خدائی مسلط تھی۔ظلم، جبر اور جور و جفا کا بازار گرم تھا۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نے صرف غزلیہ ہیئت میں نعتیں لکھ کر نعت کے امکانات محدود نہیں کیے بلکہ نظمیہ نعتیں بھی لکھی ہیں۔اُنھوں نے اپنی کئی نظمیہ نعوت میں بھی لفظی تکرار سے ترنم اور دل کش صوتی آہنگ کا احساس دلایا ہے۔مثلاً اُن کی نعت جس میں ظہورِقدسی سے پہلے اور بعد کے حالات کا تذکرہ ہے،اُس میں کمال ہُنر مندی سے دشنہ دشنہ، شعلہ شعلہ، خیمہ خیمہ، قریہ قریہ، فتنہ فتنہ، نالہ نالہ، عقدہ عقدہ، حلقہ حلقہ، گوشہ

گوشہ، بندہ بندہ، پردہ پردہ، بادہ بادہ، جرعہ جرعہ، ذرہ ذرہ، قطرہ قطرہ، توبہ توبہ، غنچہ غنچہ، لالہ لالہ، جلوہ جلوہ، خندہ خندہ، نعرہ نعرہ اور سجدہ سجدہ الفاظ کے اعادہ سے آہنگ میں شیرینی پیدا کی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے

جب دشنہ دشنہ ۔۔۔ دشنۂ مژگانِ تیز تھا
جب شعلہ شعلہ ۔۔۔ شعلۂ برقِ ستیز تھا
جب خیمہ خیمہ۔۔۔خیمۂ مرگ و فساد تھا
جب قریہ قریہ ۔۔۔ قریۂ کفرو عناد تھا
جب فتنہ فتنہ ۔۔۔ فتنۂ شدادِ وقت تھا
جب نالہ نالہ ۔۔۔ نالۂ بیدادِ وقت تھا
جب عقدہ عقدہ ۔۔۔ عقدۂ تقصیرِ فہم تھا
جب حلقہ حلقہ ۔۔۔ حلقۂ زنجیرِ وہم تھا
جب گوشہ گوشہ ۔۔۔ گوشۂ صد انبساط تھا
جب بندہ بندہ ۔۔۔ بندۂ عیش و نشاط تھا

ایسے میں زمانے کو امام الانبیا کی آرزو تھی۔ پیامِ آخریں کا انتظار تھا کہ ذہن وفکر میں جاری انتشار ختم ہو۔عرب کی سرزمین پر مسلط اندھیرا چھٹ جائے۔زمین پر چین اور سکون کا تارہ نمودار ہو۔انسانیت جو انتظارِ صبحِ نو میں شمع ساں اشک فشاں تھی، تہذیب آشنا ہو جائے۔محفلِ کون ومکاں حسنِ فطرت سے آشنا ہو جائے۔بزمِ ہستی کو رنگ،نور اور آہنگ میسر آئے۔ایسے میں اللہ کی رحمت کو جوش آیا اور ربابِ اثر وا ہوا۔تاریکیوں پر ایک نور حاوی ہو گیا۔ انسان کو اللہ سے ملانے والا ہمارا رسول ؐ پیارا رسول ؐ دنیا میں تشریف لے آیا۔قصرِ بیداد ڈھا دیئے گئے۔ظلم وبربریت کے ایوان بند کر دیئے گئے۔سچ ہے کہ ''اک عرب نے آدمی کا بول

بالا کر دیا"۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی نے بھی لفظی تکرار کے ساتھ اُس عالم گیر انقلابِ محمدی کی خوب عکاسی کی ہے۔ اب پردہ تو تھا مگر وہ پردۂ حسن و جمال بن چکا تھا۔ بادہ تو تھا مگر بادہ عرفاں بن چکا تھا۔ اب ذرے خورشید تمثال ہو گئے تھے۔ اب ہر نعرہ، نعرۂ توحید بن چکا تھا۔ اب سجدے اللہ کی ہستی کو تھے جو سجدۂ امید تھے و رجائیت تھے۔ مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی اِس نظم کا ہر مصرع الفاظ کی نشست و برخاست اور ترکیب کے اعتبار سے ایک جیسا ہے۔ ہر مصرعے کے دو حصہ ہیں۔ پہلے حصے میں الفاظ کی ایک بار تکرار اور پھر مصرعے کے دوسرے حصے میں اُسی لفظ کا اضافت اور شعری ترکیب کے ساتھ استعمال، اِس نظمیہ نعت کو شہکار کا درجہ دے رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد

اب پردہ پردہ۔۔۔ پردۂ سازِ جمال ہے
اب بادہ بادہ۔۔۔ بادۂ عرفانِ حال ہے
اب جرعہ جرعہ۔۔۔جرعۂ جامِ الست ہے
اب ذرہ ذرہ۔۔۔ذرۂ خورشیدِ مست ہے
اب قطرہ قطرہ۔۔۔قطرۂ اشکِ نیاز ہے
اب توبہ توبہ۔۔۔ توبۂ سوز و گداز ہے
اب غنچہ غنچہ۔۔۔غنچۂ زلفِ نگار ہے
اب لالہ لالہ۔۔۔لالۂ رخسارِ یار ہے
اب جلوہ جلوہ۔۔۔جلوۂ سرو سمن ہوا
اب خندہ خندہ۔۔۔خندۂ صبحِ چمن ہوا
اب نعرہ نعرہ۔۔۔نعرۂ توحید بن گیا
اب سجدہ سجدہ۔۔۔سجدۂ امید بن گیا

اب لفظی تکرار کی ایک اور دل کش صورت ملاحظہ کیجیے۔ جس سے کلام میں احساس کی لو

تیز محسوس ہو رہی ہے، زورِ بیاں پیدا ہوا ہے اور تاثیر میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ سیّد معراج جامی مختصر بحور میں عمدہ لکھتے ہیں۔ فعولن فعولن فعولن فعولن کے وزن پر ایک نعت کے تین اشعار ملاحظہ کیجیے۔ معراج جامی مو بہ مو رسولِ پاک کی مدح خوانی میں منہمک ہیں۔ خیر البشر کی کرم گستری کا ذکر بھی کر رہے ہیں کہ آپؐ کے سوا کون ہے جو زندگی کی کڑی دھوپ میں آپؐ کی طرح سب جہانوں، دوست دشمن اور اپنے پرائے کے لیے سائبان بن جائے۔ اِس زمین کی اللہ کے حبیب پاکؐ سے نسبت ہی بنیادی وجہ ہے کہ ہماری زمین کو شرف حاصل ہوا ہے۔ مدینے کی زمین حریفِ خلدِ بریں ہے۔ یہ بھی اپنی طرز کی ایک منفرد غیر مردف نعت ہے جس کی ہر مصرعِ ثانی میں ایک ہی ردیف کی چار مرتبہ تکرار نظر آ رہی ہے:

میرا انگ انگ سرکار آپؐ کا
مدح خواں، مدح خواں، مدح خواں، مدح خواں

سب جہانوں کے سر پر فقط آپؐ ہیں
سائباں، سائباں، سائباں، سائباں

نسبتِ شاہ سے یہ زمیں بھی ہوئی
آسماں، آسماں، آسماں، آسماں

(سیّد معراج جامی)

خالد محمود خالد کی لاتعداد نعتیں، نعت خواں حضرات نے سوز و گداز سے پڑھیں اور سامعین میں مقبول ہوئیں۔ کئی نعوت سینہ بہ سینہ بھی سفر کر رہی ہیں۔ اُن کی ایک اور مشہور و مقبول نعت ملاحظہ کیجیے جس کے قوافی میں لفظی تکرار سے اُنھوں نے خوب صورت شعری آہنگ پیدا کیا ہے جو سماعتوں میں رس گھولتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ سجا سجا کر، بنا بنا کر، بلا بلا کر، لٹا لٹا کر، جما جما کر، چھپا چھپا کر، بہا بہا کر، سنا سنا کر، اٹھا اٹھا کر۔ یہ لفظی تکرار نہ صرف صوتی آہنگ پیدا کر رہی ہے بلکہ نعت گو جو بات کہنا چاہ رہا ہے تکرار اُس پر زور دے رہی ہے۔ بات میں وزن

پیدا کر رہی ہے۔ کسی بات کا اعادہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ بات کی اہمیت واضح کی جا رہی ہے۔ قاری اور سامع کو تاکید کی جا رہی ہے کہ دیارِ محبوب کی طرف جانے والو، لبوں پر درود سجا لو اور اپنے دلوں کو دامن بنا لو کہ وہاں رحمتوں کے خزانے لٹائے جاتے ہیں۔ وہ ایسا در ہے کہ وہاں بلا کر نوازشات کی جاتی ہیں۔ آقا ہماری ضرورتوں سے باخبر ہیں اِس لیے وہ ہماری جھولیاں بھرتے رہتے ہیں۔ کرم اور رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا شعار ہے۔ وہ اپنی امت سے متعلق اِس قدر فکر مند رہتے تھے کہ آنسو بہا بہا کر ہمارے گناہ اور جرم دھوتے رہتے تھے۔ نعت گو کہتا ہے کہ میری جھولی میں کوئی حسنِ عمل نہیں ہے مگر سرکارِ دو عالم کرم کرتے ہیں کہ میری گناہ کالی کملی میں چھپا لیتے ہیں، کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا اگلا اثاثہ یہی ہے کہ میں اللہ کی رحمتیں صرف اِس بات پر سمیٹ لیتا ہوں کہ اُس کے محبوب کی نعتیں سناتا رہتا ہوں۔ اِس لیے اگر اذنِ حضوری ملا، میرے مقدر نے ساتھ دیا اور میں دیارِ رسولؐ پہنچا تو گلی گلی کی خاک کو اٹھا اٹھا کر چومتا رہوں گا۔

چلو دیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب درود لب پر سجا سجا کر
بہاریں لوٹیں گے ہم کرم کی دلوں میں دامن بنا بنا کر
نہ ان کے جیسا سخی ہے کوئی نہ ان کے جیسا غنی ہے کوئی
وہ بے نواوں کو ہر جگہ سے نوازتے ہیں بلا بلا کر
ہماری ساری ضرورتوں پر کفالتوں کی نظر ہے ان کی
وہ جھولیاں بھر رہے ہیں سب کی کرم کے موتی لٹا لٹا کر
وہ راہیں اب تک سجی ہوئی ہیں دلوں کا کعبہ بنی ہوئی ہے
جہاں جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گزرے ہیں نقش اپنا جما جما کر
ہے ان کو امت سے پیار کتنا کرم ہے رحمت شعار کتنا
ہمارے جرموں کو دھو رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آنسو بہا بہا کر

میں ایسا عاصی ہوں جس کی جھولی میں کوئی حسنِ عمل نہیں ہے
مگر وہ احسان کر رہے ہیں خطائیں میری چھپا چھپا کر
یہی اثاثہ عمل ہے میری اسی سے بگڑی بنی ہے میری
سمیٹتا ہوں کرم خدا کا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں سنا سنا کر
اگر مقدر نے یاوری کی اگر مدینے گیا میں خالد
قدم قدم خاک اس گلی کی چوم لوں گا اٹھا اٹھا کر

اسم سے فعل بنانا

جلیل عالی کا نعتیہ مجموعہ نور نہایا رستہ ۲۰۱۹ء میں شائع ہوا۔جس میں اُنہوں نے کئی مقامات پر اپنے اسلوب کی چھاپ چھوڑی ہے۔اسم سے افعال بنائے ہیں۔نعت کی فضا کے تقدس کو دیکھتے ہوئے ، یہ اسلوب اپنانا چنداں آسان کام نہیں ہے۔تسخیرے، تعمیرے، اسیرے، ہیرے اور توقیرے جیسے قوافی نعتیہ اشعار میں باندھنا مشکل کام ہے قادر الکلامی کا متقاضی ہے۔

دنیا کیا تسخیرے مجھ کو
شوق ترا تعمیرے مجھ کو
تیرے دھیان کے اپنے موسم
کیسے وقت اسیرے مجھ کو
تیرے نگر کی سمت رواں ہوں
کنکر، پتھر، ہیرے مجھ کو
میں بے وصفا، میں بے ہنرا
نام تیرا توقیرے مجھ کو

علامت نگاری

استعارہ جب وسعت اختیار کرتا ہے تو علامت کا روپ دھار لیتا ہے۔ علامت و استعارہ کسی زبان کے زرخیز ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں کہ اِن کی بدولت زبان میں اظہار اور ترسیل کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ وہ باتیں جو عام روزمرہ کی زبان میں ادا کی جاسکتی ہیں اور نہ ہی اُن کا اظہار عوامی سطح پر مناسب ہوتا ہے، اُن کے لیے علامت و استعارہ بہترین ذرائع ہیں۔ کئی ایک شعرا کے ہاں تو علامت و استعارے کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔ اُردو شاعری میں علامت نگاری نئی بات نہیں مگر سب سے پہلے جس شخص نے اسے تحریک کی صورت دینے کی کوشش کی وہ فرانسیسی علامت نگار سے متاثر میرا جی تھے۔ ترقی پسندوں نے بھی انقلاب اور غیر جمہوری قوتوں کے لیے کچھ علامتیں استعمال کیں مثلاً سرخ سویرا، سرخی، سیاہی، تیرگی، تاریکی جب کسی شاعر کے کلام میں علامت و استعارے کا پتا چلتا ہے تو قاری کا ذہن فوری طور پر کلام میں عمق کے ساتھ منہاج و معراج کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ کلام میں انفرادیت اور رعنائی کا خیال آتا ہے۔ علامت و استعارے کا اختراع اعلیٰ تخلیقی ذہنوں کا کام ہے۔ عامیوں کے لیے روزمرہ کی زبان موجود ہے۔ اقبال نے حالی و سرسید کی مقصدیت کی تحریک سے مکمل اتفاق کرنے کے باوجود کہیں بھی حالی کی نیچرل شاعری کے ڈکشن کو پذیرائی نہیں بخشی۔ اُنھوں نے اپنے عہد کو بہت پیچھے چھوڑ دیا اِس لیے کہ اقبال کو اُردو شاعری میں معنوی وسعتوں کی کمی کا احساس ہمیشہ سے تھا۔ اُن کے ہاں فطرت ہو یا ارضیت، ملت ہو یا اشتراکیت سب موضوعات نے ایک نئے طرزِ احساس اور اسلوبِ بیاں کے ساتھ جگہ پائی۔ اُن جیسا وسیع المشرب شخص عالمی ادبی تحریکات اور نئے رجحانات سے بے خبر تو نہیں رہ سکتا تھا۔ اُن کے ہاں بہت سی علامتیں موجود ہیں مثلاً۔ لالہ صحرا، پتنگا، گل و بلبل، کرگس، مرغ، چراغ، شمع، جگنو، شرارِ بولہبی، چراغِ مصطفوی مگر شاہین اور مردِ مومن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ غالب، اقبال، فیض، راشد، میرا جی، مجید

امجد اور وزیر آغا وغیرہ کے ہاں علامتی ڈکشن میں بہترین تخلیقات پڑھنے میں آتی ہیں۔علامت اپنی الگ حیثیت میں بھی اپنا مکمل مفہوم ادا کرنے پر قادر ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ کسی شاعر کے مکمل کلام کا مطالعہ کیا جائے تو علامتی نظام فکر کی ایک سمت کا تعین ضرور کرتا ہے۔کوئی بھی علامت اُس کے کلام میں فکر کے ایک دھارے کا حصہ ہوتی ہے۔خاص طور پر اگر کوئی شاعر کسی تحریک کا حصہ ہے تو اُس کے ہاں علامتی نظام یقیناً اُسی فکر و فلسفہ کا عکاس و ترجمان ہوتا ہے۔مثال کے طور پر مجید امجد کے ہاں دھوپ، ہوا، پرندہ، شجر، کنواں وغیرہ اکثر پڑھنے کو ملیں گی۔نعت گوئی میں بھی علامتوں کا استعمال بہر حال ہوا ہے اگرچہ نعوت میں علامت کا استعمال تھوڑا مختلف ڈھنگ سے کیا جاتا ہے۔نعت کی علامت مکمل تخلیقی فضا کا حصہ ہوتی ہے اور اُسے تخلیق کے سیاق میں سمجھنا مشکل نہیں ہوتا۔یہ ضروری بھی ہے کہ نعت گوئی ہرگز ابہام کی متحمل نہیں ہو سکتی۔عاصی کرنالی سے شہاب صفدر تک نعت نگاری میں بہترین علامتوں کا استعمال ہوا ہے۔

رشید قیصرانی اچھے علامت نگار تھے اُن کا انتقال ۲۰۱۰ء میں ہوا۔اُنہوں نے اپنی ایک رواں دواں نظم میں ظہورِ قدسی، اُس کے اثرات، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت، آپؐ اور اسلام کی جاں نثاروں کی خدمات، حق اور صداقت کی فتح، پھر عہدِ خلفائے راشدین سب کا احاطہ کیا ہے۔نظم پر غور کیجیے تو یہ علامتیں ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں۔یہ حق و باطل کے معرکوں کے لیے استعمال ہوتی رہی ہیں۔ظلمت، سوکھی دھرتی، سانپ نیولے، اژدر، تاریکی، دیپ، پروانے، تند ہوائیں، طوفان، بیراگی، قندیل۔یہ سب علامتیں اس نظم کی مجموعی فضا کا حصہ اِس طرح بنی ہیں کہ اُن کی تفہیم قطعی مشکل نہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

اک دیپ جلا اندھیاروں میں
ظلمت کے بپھرے سینوں میں
اک چیخ اٹھی
اک شور مچا

یہ روپ سروپ اندھیاروں کا
برسوں سے قائم دائم ہے
یہ کس کی جرأت ہے
یہ کس کا دم
یہ کون ہماری نگری میں
ظلمات کا دم یوں نوچتا ہے
صدیوں کی سوکھی دھرتی پر
یہ کون اجالے پھینکتا ہے
بے خوف وخطر
چپکے چپکے
وہ دیپ مگر جلتا ہی رہا
یہ دیکھو ظلمت گاہوں سے
کچھ زہر بھرے اژدر نکلے
کچھ سانپ نیولے در آئے
کچھ تند ہوائیں چیخ اٹھیں
کچھ تیز بگولے لہرائے
ظلمات کی ساری سینائیں
اک تنہا دیپ پہ ٹوٹ پڑیں
اتنے میں کچھ پروانوں نے
اس دیپ پہ گھیرا ڈال لیا
یہ پروانے لاچار بھی تھے

کم زور ضعیف و نزار تھے

ہر دیپ کی رکشا کی خاطر

وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر

طوفان کے منہ میں کود پڑے

کچھ پار لگے

کچھ ڈوب گئے

یلغار سے پروانوں کی مگر

طوفان کے چھکے چھوٹ گئے

اتنے میں کچھ بیراگی بھی

قندیل جلانے آپہنچے

وہ دیپ جو تنہا جلتا تھا

اس دیپ سے لاکھوں دیپ جلے

طوفان کا سینا چاک ہوا

دم ٹوٹ گیا اندھیاروں کا

شعری ترکیبیں

آپ روزمرہ کی گفتگو نہیں شعر گوئی کر رہے ہیں تو اسلوبِ بیاں میں اُس کا اظہار بھی نظر آنا چاہیے۔ایک تخلیق کار اور عام آدمی میں دو فرق واضح ہوتے ہیں۔فکری سطح پر عام آدمی کی سوچیں منتشر ہوتی ہیں جب کہ ایک تخلیق کار اتحادِ فکر پیدا کرتا ہے اور انہیں مرتکز کر کے ایک نقطۂ نظر کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ دوسری بات طرزِ اظہار ہوتا ہے۔ عام آدمی کی گفتگو کا لسانی اور اسلوبیاتی معیار ہرگز وہ نہیں ہوسکتا جو ایک تخلیقی تحریر میں سخن ور کا ہوتا ہے۔ایک شاعر

جس طرح عناصرِ فطرت اور قدرت کے مظاہر کو شعری ترکیبوں میں پیش کرتا ہے، وہ اِس کے خیال و فکر کی رفعت کا معاملہ ہے جو ایک عام آدمی کو حاصل نہیں ہوتی۔ اُس وقت ہماری نعت گوئی میں دو طرح کے اسالیب پڑھنے میں آتے ہیں۔ ایک وہ جس میں راست بیانیہ انداز ہے۔ ایسی نعوت کا ادبی معیار سب کا ایک سا ہوتا ہے۔ نعت گو کا نام بدل دیا جائے تو کچھ پتا نہیں چلتا کہ نعت کس کی ہے۔ دوسری طرف جوش ملیح آبادی، صوفی تبسم، عبدالکریم ثمر، راغب مُرادآبادی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، صہبا اختر، عبدالعزیز خالد، جعفر بلوچ، ریاض حسین چودھری، صبیح رحمانی، شاکر القادری، شہاب صفدر، جاوید عادل سوہاوی اور دیگر کئی نعت گو ہیں جن کے ہاں اسلوبِ بیاں کا اعلیٰ معیار نظر آتا ہے اور اِس بات کا یقین آجاتا ہے کہ نعت گوئی میں بھی ارتقا کا عمل بہر حال جاری ہے۔ کئی ایک نعت نگاروں نے عمدہ شعری ترکیبوں سے مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معطر کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ ریاض حسین چودھری، اختر حسین جعفری، عبدالعزیز خالد، حافظ لدھیانوی، افضل فقیر، ماہر القادری، حفیظ تائب، جعفر بلوچ، محسن احسان نے اپنے نعتیہ کلام میں عشق کا ساگر، باطل کی جبیں، آنسوؤں کا رقص، دلیل قاطع، دعائے فاتح، حریم شمعِ صفات، ابد کا محمل، قاب قوسین کے پُل، ظلماتِ کُن فکاں، کاشانۂ ادراک، رُخِ آفاق، مشعلِ حیات، شمعِ گل و لالہ، رخسارِ گردوں، درودوں کی چاندنی، دیدۂ فردوس نگر، سرمۂ چشمِ بصیرت، چشمۂ عطا، عارضِ صبح، تشکیک کی ظلمت، صبحِ صدق و یقیں، حلقۂ دامِ بشر، جمالستانِ عقل، بحرِ ذکا جیسی ترکیبوں کا عمدہ استعمال کیا ہے:

اُسی کی ضو سے ہے ظلماتِ کُن فکاں روشن
اُسی کی لو سے ہے سینہ کرن کرن میرا
(عبدالعزیز خالد)

یہ بہارستانِ دانش، یہ جمالستانِ عقل
قطرۂ بے مایہ کو بحرِ ذکا اُس ؐ نے کیا

(محسن احسان)

پیراہن درود میں محفوظ ہے بدن
آتش فشاں مرے لیے آتش فشاں نہیں
رہتا ہے ساتھ ابرِ خیالِ در رسولؐ
اِس سائباں سے اچھا کوئی سائباں نہیں

(سید محمد نورالحسن نور)

حسن مسعود بدریکم نومبر ۱۹۶۹ء، کندیاں، میاں نوالی میں پیدا ہوئے۔شعری تخلیقات میں چاند بھیگا ہوا اور سانسوں میں رفو شام شامل ہیں۔اُنھوں نے غارِ حرا، سی پارے، محراب، آیتیں اور مسجد کو جس انداز سے اپنی نظم میں بہ طور علائم ورموز کے استعمال کیا ہے۔انہیں شعری ترکیبوں میں بدلا ہے۔اس سے کلام کے عمق کے ساتھ منہاج ومعراج میں اضافہ ہوا ہے۔ اردو نعت میں یہ اندازِ بیان خال خال ہی ملتا ہے۔

''ذات کے غارِ حرا میں''

کبھی میں اپنی آنکھوں کی عبادت گاہ میں بیٹھے
ترے خوابوں کے سیپارے پڑھوں چھپ کر
کبھی ہونٹوں کے محرابوں پہ لکھی آیتیں
میں روح کی مسجد میں دہراؤں
کبھی تیرے خیالوں کے میں زم زم سے وضو کر کے
تیرے گنبد کی اک اک خشت اقدس کے میں بوسے لوں
کبھی میں ذات کے غارِ حرا میں بیٹھ کر صلِ علیٰ بھیجوں
کہ شاید اس طرح مجھ پر کبھی نعتِ نبی ﷺ اترے

تشبیہات

تشبیہات بھی اسلوبِ بیاں کی دل کشی اور رعنائی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مشترک اوصاف کی بنیاد پر ایک چیز (مشبہ) کو دوسری چیز (مشبہ بہ) سے نسبت دینا، اُس کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ عام طور پر شاعری میں خوب صورتی کی بنیاد پر تشبیہات تراشی جاتی ہیں۔ نعت گوئی میں بھی رسول اللہ کی سراپا نگاری کرتے ہوئے نعت نگار بہت سی تشبیہات کا سہارا لیتے ہیں۔ اگر ایک ہی صفت یا خوبی کے لیے کئی تشبیہات ایک ساتھ لائی جائیں تو اسے تشبیہ ملفوف کہتے ہیں مگر ایک مشبہ اور ایک مشبہ بہ کی صورت میں یہ مشبیہ مفروق کہلائے گی۔ استعارہ کی طرح تشبیہ بھی کلام کے حسن میں بے حد اضافہ کرتی ہے۔ شعر میں تازگی، حسن، رنگ اور رعنائی آجاتی ہے۔ وہ تمام نعت گو جنھوں نے جمالِ مصطفی ﷺ پر اشعار کہے ہیں اُن کے ہاں بڑی نادر تشبیہات ملتی ہیں۔ عبدالعزیز خالد نے حضورؐ کے نقشِ پا کو مشکِ نافہ کی طرح مہکیلے اور کہیں بدرِ کامل کو آپؐ کا عکس مبہم قرار دیا۔ ایک اور جگہ خالد نے آپؐ کے لبوں کو گُلِ نودمیدہ اور آپؐ کے چہرے کو قرآن کا ورق لکھا۔ حافظ لدھیانوی نے مدینے کی صبح و شام کی دل کشی کو رُخِ سیّدالانام کا حسن کہا کبھی آپؐ کے نشوقِ پا کو راہِ حق کے چراغ قرار دیا۔ نیر واسطی نے آپؐ کی زلفوں کو گہربار گھٹائیں اور آپؐ کے رخسار کو مصحف کہا۔ اثر صہبائی نے روئے نبیؐ کو آفتابِ بہار و ماہِ تمام لکھا، کہیں جمالِ محمد ﷺ کو بہشتِ نظر سے تشبیہ دی۔ حفیظ تائب نے حسنِ پیمبر کو چہرۂ زیست کی ضو اور بدرالدجیٰ کے جلوؤں کو چشمِ ہستی کی ضیا کہا۔ امیر مینائی نے آپؐ کے دہن کو چشمۂ شیریں اور صلِ علیٰ کے ورد کو آبِ بقا لکھا۔ اختر الحامدی نے دندان مبارک کو درِ بے بہا اور احسان دانش نے جبینِ پاک کو لوحِ عرشِ کبریا لکھا۔

سیّد غلام عباس (محسن نقوی) اُردو کے مشہور شاعر تھے۔ نظم، غزل، مرثیہ، قطعات اور فنِ خطابت اُن کے خاص شعبے تھے۔ 5 مئی 1947ء کو محلہ سادات، ڈیرہ غازی خان میں

پیدا ہوئے۔ ملتان سے گریجویشن کرنے کے بعد جامعہ پنجاب کے اُردو ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوئے۔ بعد میں وہ لاہور منتقل ہو گئے اور لاہور کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔ محسن نقوی نے اپنی شاعری میں واقعہ کربلا کے استعارے جا بجا استعمال کیے۔ان کی تصانیف میں بند قبا، عذاب دید، خیمہ جان، برگ صحرا، طلوع اشک، حق ایلیا، رخت شب، ریزہ حرف، موج ادراک اور دیگر شامل ہیں۔ محسن نقوی کی شاعری میں رومان اور درد کا عنصر نمایاں تھا۔ ان کی رومانوی شاعری نوجوانوں میں بھی خاصی مقبول تھی۔ اِن کے قطعات کے مجموعے ''ردائے خواب'' کے نام سے شائع ہوا۔ 1994ء میں حکومت پاکستان نے انہیں صدارتی تمغا برائے حسن کارکردگی عطا کیا تھا۔ محسن نقوی شاعر اہلِ بیت کے طور پر بھی جانے جاتے تھے۔انہیں زبان و بیان پر بڑی قدرت حاصل تھی، اُن کا لکھا ہوا خود بولتا تھا کہ یہ محسن نقوی کی تحریر ہے۔ اُن کے نعتیہ کلام میں جس قدر لاجواب تشبیہات اور شعری ترکیبیں پڑھنے میں آتی ہیں وہ کم کم نعت گوؤں کے فکروفن کا حصہ ہیں۔ اُن کی ایک نعتیہ معرا نظم (وزن: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن) ملاحظہ کیجیے۔ جس میں چہرہ، آنکھیں، ماتھا، عارض، گیسو، ابرو، گردن، لب، قد، بازو، سینہ، پلکیں، باتیں، لہجہ، خطبے، دانت، تبسم، سجدے، ہاتھ، خط، پاؤں، نقشِ قدم، بندِ قبا، چادر، مہرِ نبوت، رخسار، بدن، ملبوس، کردار، گفتار، معیار، فکر، فقر، شکر، حسن، علم، حلم، صبر اور ضبط مشبہ ہیں۔ آپ اِس نعتیہ نظم میں لاتعداد مشبہ بہ کی رعنائیاں ملاحظہ کیجیے۔ اِس نظم کی ایک اضافی خوبی یہ بھی ہے کہ کئی تشبیہات شعری ترکیبوں میں بھی ڈھلتی نظر آرہی ہیں۔ اگر اسلوبیاتی سطح پر زبان کا استعمال شعور و ادراک کا ثبوت ہے تو مصارع اِس طرح ڈھلے ہوئے اور تراشے ہوئے ہیں کہ آمد ہی آمد کا پتا دیتے ہیں۔ قارئین یقیناً انبساط کشید کریں گے۔

چہرہ ہے کہ انوارِ دو عالم کا صحیفہ
آنکھیں ہیں کہ بحرینِ تقدس کے نگیں ہیں
ماتھا ہے کہ وحدت کی تجلی کا ورق ہے

عارض ہیں کہ ''والفجر'' کی آیت کے امیں ہیں
گیسو ہیں کہ ''وَالّلیل'' کے بکھرے ہوئے سایے
ابرو ہیں کہ قوسینِ شبِ قدر کھلے ہیں
گردن ہے کہ بَر فرقِ زمیں اوجِ ثریا
لب، صورتِ یاقوت شعاعوں میں ڈھلے ہیں
قَد ہے کہ نبوت کے خد و خال کا معیار
بازو ہیں کہ توحید کی عظمت کے علَم ہیں
سینہ ہے کہ رمزِ دلِ ہستی کا خزینہ
پلکیں ہیں کہ الفاظِ رُخِ لوح و قلم ہیں
باتیں ہیں کہ طُوبیٰ کی چٹکتی ہوئی کلیاں
لہجہ ہے کہ یزداں کی زباں بول رہی ہے
خطبے ہیں کہ ساون کے امنڈتے ہوئے دریا
قِرات ہے کہ اسرارِ جہاں کھول رہی ہے
یہ دانت، یہ شیرازۂ شبنم کے تراشے
یاقوت کی وادی میں دمکتے ہوئے ہیرے
شرمندۂ تابِ لب و دندانِ پیمبر ﷺ
حرفے بہ ثنا خوانی و خامہ بہ صریرے
یہ موجِ تبسم ہے کہ رنگوں کی دھنک ہے
یہ عکسِ متانت ہے کہ ٹھہرا ہوا موسم
یہ شکر کے سجدے ہیں کہ آیات کی تنزیل
یہ آنکھ میں آنسو ہیں کہ الہام کی رِم جھم

یہ ہاتھ، یہ کونین کی تقدیر کے اوراق
یہ خط، یہ خد و خالِ رُخِ مصحف و انجیل
یہ پاؤں، یہ مہتاب کی کرنوں کے مَعابِد
یہ نقشِ قدم، بوسہ گہِ رَف رَف و جبریل
یہ رفعتِ دستار ہے یا اوجِ تخیل!
یہ بندِ قبا ہے کہ شگفتِ گُلِ ناہید
یہ سایۂ داماں ہے کہ پھیلا ہوا بادل
یہ صبحِ گریباں ہے کہ خمیازۂ خورشید
یہ دوش پہ چادر ہے کہ بخشش کی گھٹا ہے
یہ مہرِ نبوت ہے کہ نقشِ دلِ مہتاب
رخسار کی ضَو ہے کہ نموِ صبحِ ازل کی
آنکھوں کی ملاحت ہے کہ روئے شبِ کم خواب
ہر نقشِ بدن اتنا مناسب ہے کہ جیسے
تزئینِ شب و روز کہ تمثیلِ مہ و سال
ملبوسِ کہن یوں شکن آلود ہے جیسے
ترتیب سے پہلے رُخِ ہستی کے خد و خال
رفتار میں افلاک کی گردش کا تصور
کردار میں شاملِ بنی ہاشم کی اَنا ہے
گفتار میں قرآں کی صداقت کا تیقُّن
معیار میں گردُوں کی بلندی کفِ پا ہے
وہ فکر کہ خود عقلِ بشر سَر بگریباں

وہ فقر کہ ٹھوکر میں ہے دنیا کی بلندی
وہ شکر کہ خالق بھی ترے شکر کا ممنون
وہ حُسن کہ یوسفؑ بھی کرے آئینہ بندی
وہ علم کہ قرآں تِری عِترت کا قصیدہ
وہ حِلم کہ دُشمن کو بھی امیدِ کرم ہے
وہ صبر کہ شبیرؑ تری شاخِ ثمردار
وہ ضبط کہ جس ضبط میں عرفانِ اُمم ہے

صنعتِ غیر منقوطہ

صنعت کلام کا گہنا کہلاتی ہے۔ یہ مفہوم کی ادائیگی میں کوئی کردار ادا نہیں کرتی، مگر کلام کی آرائش کا کام ضرور کرتی ہے۔ اساتذۂ سخن اپنی اپنی خوش مذاقی کی وجہ سے نئی نئی صنعتیں ایجاد کرتے رہے ہیں۔ بعض صنعتوں کا تعلق رسم الخط سے ہوتا ہے۔ اگر اسے بدل دیا جائے تو صنعت معدوم ہوجاتی ہے۔ صنعتِ غیر منقوطہ اِس کی ایک مثال ہے۔ ایسی صنعتیں لفظی صنعتیں کہلاتی ہیں، مگر بعض صنعتیں خط کو بدلنے سے متاثر نہیں ہوتیں۔ مثلاً تضاد، موازنہ وغیرہ ایسی صنعتیں معنوی صنعتیں کہلاتی ہیں۔

صنعتِ غیر منقوط میں سب سے پہلے شعر گوئی اُردو میں انشا اللہ خاں انشا نے کی تھی مگر اب اُس کا وہ کلام میسر نہیں ہے۔ انشا اللہ خاں انشا کی ایک غیر منقوط مثنوی بھی تھی۔ لگتا ہے کہ وہی اِس صنعت کے بانی ہیں۔ انیسؔ و دبیرؔ کے دو مرثیوں کے علاوہ شاید کاملؔ جونا گڑھی کا بھی کچھ کلام ملتا ہے، لیکن ہندوستانی حسان بن ثابت دلو رام کوثری کی چند غیر منقوطہ نعتوں کے بعد فیضی نے قرآنِ پاک کی غیر منقوطہ تفسیر عربی میں لکھی تھی (اس کی ایک کاپی اسٹیٹ بینک کراچی کی لائبریری میں بھی محفوظ ہے) مولانا ولی رازی نے ''ہادیِ عالم'' ﷺ کے نام سے سیرت پر

اُردو میں ایک غیر منقوطہ کتاب لکھی ہے۔اس کتاب میں ''ں'' اور''ی'' کا بہ کثرت استعمال ہے۔پھر یہ حقیقت بھی صاحبانِ ذوق جانتے ہیں کہ منثورِ غیر منقوطہ لکھنے کی نسبت منظوم غیر منقوطہ لکھنا بہت مشکل کام ہے کہ اِس میں عروضی پیمانوں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔'ولی رازی کی غیر منقوط نعت کے چند اشعار:

ہر دم درود سرورِ عالم کہا کروں
ہر لمحہ محو روئے مکرم رہا کروں

اسم رسول ہوگا، مداوائے دردِ دل
صل علیٰ سے دل کے دکھوں کی دوا کروں

ہر سطر اس کی اسوہ ہادی کی ہو گواہ
اس طرح حال احمد مرسل کہا کروں

معمور اس کو کر کے معرا سطور سے
ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں

'افکار'' کے جوشؔ نمبر میں جوشؔ صاحب نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ ان کے عربی اور فارسی کے ایک اُستاد مولانا قدرت اللہ بیگ نے ایک غیر منقوطہ مثنوی لکھی تھی۔ یہ مثنوی دست یاب نہیں ہوسکی۔ ممکن ہے غیر مطبوعہ ہو۔صباؔ متھراوی، سیمابؔ اکبرآبادی کے تلامذہ میں سے تھے۔راغب مُرادآبادی کے ہم عصر اور ماہر علم عروض تھے۔انتقال سے ۷ برس پہلے ۱۹۸۱ء میں، اُن کا غیر منقوطہ نعتیہ کلام ''مصدرِ اِلہام'' کے نام سے شائع ہوا تھا جس میں حمد، نعوت اور رباعیات شامل تھیں۔ صبا کی پیدائش متھرا (یوپی، انڈیا) میں ہونے کی وجہ سے متھراوی کہلائے ،ان کا یہ غیر منقوط مجموعۂ کلام حمد، مدح رسولؐ اور مختلف عناوین کی رباعیات پر 96 صفحات پر مشتمل ہے،اس مجموعے کی اشاعت 1981 میں مکتبۂ اردو ادب، کراچی سے ہوئی، کچھ نمونے پیش خدمت ہیں:

مسلسل درود اور مسلسل سلام
مدام و مدام و دوام دوام
حرم ہو ارم ہو محمد کا گھر
دو عالم محمد کا ملک دوام
ہواؤ دکھاؤ محمد کا در
معطر معطر وہ دار السلا م

راغب صاحب کی ''مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ۱۹۷۹ء میں تصنیف ہوئی اور بہ وجوہ ۱۹۸۳ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ مدح رسول 176 صفحات پر مشتمل ہے، جس میں چالیس غیر منقوط نعتیں اور تیس رباعیات ہیں، ان تمام میں بجز تخلص راغب کے کسی اور حرف میں نقطہ نہیں نظر آتا، کتاب کے آخر میں فرہنگ بھی ہے، جو صفحہ: 168 سے صفحہ: 176 تک ہے، 'الحمد للہ' کے نام سے ایک بے نقط مضمون بھی صفحہ: 47 تا صفحہ: 51 تک شامل ہے، تصنیف کا سنہ 1979ء ہے؛ لیکن اس کی اشاعت 1983 میں ایجوکیشنل پریس کراچی سے ہوئی۔ راغب صاحب کا غیر منقوط کلام اُن کے دیگر مجموعہ ہائے کلام میں بھی موجود ہے۔ فکروفن کی غیر منقوطہ آزمائش میں بھی راغبؔ صاحب کی خوبی یہ ہے کہ کہیں بھی ''ن غنے'' اور ''ء'' کا استعمال نہیں کرتے۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ لفظ منقوطہ ہوتا ہے یا غیر منقوطہ۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی لفظ کبھی نون نقطے والا بن جائے اور کبھی بے نقط ہوجائے۔ یوں ''مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' چالیس نعتوں اور تیئیس رباعیوں کا مجموعہ ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کی زندگی کا عددی حوالہ ہے۔

رسولِ ہدیٰ کا کرم اللہ اللہ
ہوا دُور اِک اِک الم اللہ اللہ
رہا اللہ اللہ کرم اُس کا ہر دم
ہوا سہل کار عدم اللہ اللہ

مددگار ہو گا وہ ہر کلمہ گو کا
لحد ہو کہ راہِ عدم اللہ اللہ
دو عالم کا مولا کہو اُس کو راغبؔ
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرادِ دِلم اللہ اللہ

فیصل آباد سے محمد امین علی شاہ نقوی کا غیر منقوط مجموعہ ''محمد ہی محمد'' ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ ۲۴۰ صفحات کے اس مجموعے میں ۴ زبانوں اُردو، پنجابی، فارسی اور عربی میں حمد، نعوت اور مناقب شامل تھے۔ کل ۱۱۳ منظومات اور ۱۹ قطعات شامل تھے۔ ۱۹۸۹ء میں بھی ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے نام سے اُن کا ایک عربی میں غیر منقوط مجموعہ کلام شائع ہوا جس میں ۳۳ منظومات، ۱۳ ۱۳ اشعار، ۱۲ حمد اور ۱۲ نعوت شامل تھیں۔ اِن کے بعد میاں چنوں سے ایک عاشقِ رسول سید مختار گیلانی کا ۶ زبانوں اُردو، پنجابی، سرائیکی، فارسی، عربی اور انگریزی میں ۳۰۴ صفحات پر مشتمل غیر منقوط مجموعہ ''محامد ورا المعرا'' ۱۹۹۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ بہر حال غیر منقوط نعت نگاری میں اولیت راغب مُراد آبادی اور صبا متھراوی کو حاصل ہے۔ بعد ازاں کئی عشاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مداحی میں اِس طرزِ اظہار کو اپنا کر اپنی محبتوں کا ثبوت دیا۔ منظر پھلوری ٹوبہ ٹیک سنگھ کے ملحقہ قصبے ''اڈا پھلور'' میں ۱۹۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ غیر منقوط شاعری میں اپنا تخلص سائل کرتے ہیں۔ ۲۰۱۳ء میں شائع ہونے والے اُن کے غیر منقوط مجموعہ کلام ''ارحمِ عالم'' میں ۵۲ نعوت شامل ہیں۔ ۲۰۱۴ء میں اِس مجموعے کو صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اِن کے تین اور غیر منقوط نعتیہ مجموعے ''ماہِ حرا''، ''صاحبِ لولاک''، ''اساسِ ادلہ'' کے نام سے زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئے:

حدِ ادراک سے ماورائے گماں
وہ وریٰ الوریٰ کوئی اُس سا کہاں
وہ عطائے الٰہ، سائرِ لا مکاں
ہادی، کل وہی مرسلِ مرسلاں
اس کو لاکھوں کروڑوں درود و سلام

لامکاں اور مکاں کا ہے وہ حکمراں
دل کا وہ آسرا اور مسلسل کرم
در اُسی کا ہمارا ہے دارالاماں
ہے ولائے محمدؐ کی مہر و عطا
عاصی و کم عمل ہو گئے کامراں
آئی ماحول سے ہر کسی کی صدا
سِکہ اسمِ محمدؐ کا ہر سو رواں
سارے عالم کو اس سے مدد ہے ملی
کملی والا ہو ہر اماں کی اماں
آ گئے آ گئے وہ مدد کے لیے
مہکا مہکا ہے سائل دلوں کا سماں

تابش الوری کا غیر منقوط نعتیہ مجموعہ سرکار دو عالمؐ کے نام سے اپریل 2004ء میں مجلس ثقافت پاکستان، بہاولپور سے شائع ہوا اور 2005 میں کتب سیرت کے مقابلے میں پنجاب حکومت کی طرف سے اس کو اول انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ متفرق اشعار ذیل میں درج ہیں۔

ہم کو رہِ ہدیٰ ملی صلِّ علیٰ رسولہٖ
گم ہوا دورِ گمرہی صلِّ علیٰ رسولہٖ

عاصی ہوں مگر رحم و کرم ہو کے رہے گا
اللہ کی رحمت ہے، محمدؐ کی دعا ہے

سرِ لوحِ کردار سردارِ عالم
ہر اک طرح سے کملی والا ہمارا

سوائے اس کے دلوں کا سکوں ملے گا کہاں
سکوں کے واسطے در در سوال کس سے کروں

ماضی قریب میں کچھ اور غیر منقوط نعتیہ مجموعے سامنے آئے ہیں جن میں معلم عالم (عبدالرحیم ارحم قریشی)، اسرارالسلوک (فاضل شائق)، روح عالم (یوسف طاہر قریشی)، مدح رسول (کامران اعظم سوہدری) شامل ہیں

---

(۳)

موضوع

دنیا کے ہر خطے، مذہب اور زبان میں اپنے اپنے عقائد کے مطابق تقدیسی گیت ضرور ہوتے ہیں۔ اسلام سے پہلے بھی عربوں میں مذہبی گیت رہے ہوں گے جواب معدوم ہو چکے ہیں۔ سرکارِ دو عالمؐ کی نعت کا آغاز عہدِ نبویؐ ہی میں ہو چکا تھا۔ اصحابِ رسول ﷺ کو جو عقیدت اور محبت نبیؐ پاک سے تھی اُس کا تقاضا تھا کہ مسلمان اپنے قلبی جذبات و احساسات کا اظہار کریں۔ لہٰذا جو اصحابؓ شعر گوئی سے واقف تھے اُنہوں نے منظوم ثنائے مصطفیٰؐ کا آغاز کیا۔ ایسے اصحاب کی تعداد سیکڑوں میں تھی۔ کچھ تو باقاعدہ بہت بے مثال شاعر تھے۔ نعت عربی زبان سے فارسی میں پھر فارسی سے اُردو میں آئی۔ محققین نے اُردو نعت پر فارسی کے اثرات کا جائزہ بھی لیا ہے اور اعلیٰ سطح کے مقالے رقم کیے ہیں۔ البتہ کچھ نعت نگاروں نے فارسی نعت کو ہندوستانی فضا سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ یہاں محسن کاکوروی کے قصیدہ لامیہ کا ذکر نہایت مناسب ہے جس میں اُنہوں نے دوابۂ گنگا و جمنا میں آمدِ بہار کا ایسا نقشہ کھینچا کہ قارئین پر سحر طاری ہو جاتا ہے:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی

کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

برسات میں کالی رات کا نقشہ ملاحظہ کیجیے:

شبِ دیجور اندھیرے میں ہے بادل کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل
شاہدِ کفر ہے منہ پر سے اٹھائے گھونگٹ
چشمِ کافر میں لگائے ہوئے کافر کاجل

ہمارے عہد میں بھی یہ اسلوبِ بیاں کچھ شعرا کے ہاں نظر آتا ہے جنہوں نے اپنے کلام میں ہندی الفاظ کا استعمال کر کے کلام کو ایک طرف تو مقامیت سے آشنا کرنے کی کوشش کی تو دوسری طرف ہندی زبان کی مٹھاس نے کلام کو ایک مختلف ذائقے سے آشنا کیا۔ کراچی کے ایک بزرگ شاعر ثاقب انجان جو گجراتی میمن تھے، اُردو اُن کی مادری زبان نہ تھی۔ اُردو میں لکھتے تھے۔ ہندی زبان پر انہیں خاصی دسترس تھی بلکہ ہندی میں تعلیمی سند میں حاصل کر رکھی تھی۔ غزل کے علاوہ نعوت میں بھی ہندی الفاظ کا بڑی رعنائی کے ساتھ استعمال کرتے تھے۔ اِس کا مجموعۂ نعت "ابرِ کرم" کے نام سے مارچ ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا جس میں ایسی نعوت شامل تھیں جن میں ہندی کی شیرینی بھی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے جس میں دوری و مجبوری کو بڑے سوز و گداز کے ساتھ پیش کیا ہے:

جب چاہوں دیدار کروں، من درپن ہو جائے
میرا تمہارا ایسا پکا بندھن ہو جائے
پریم کی آگ تمہاری دھیرے دھیرے پگھلا دے
موت تمہاری یاد میں آ کر جیون ہو جائے
تم سے دوری چیت اور کنوار کی دھوپ سی لگتی ہے
برسوں یہ رت جھیل چکے اب ساون ہو جائے

میرے آقا آپ طنابیں کھینچ لیں گر دھرتی کی
آپؐ کا دوار اور میری کٹیا گھر آنگن ہو جائے

مولانا احمد رضا خاں بریلوی، اکبر وارثی میرٹھی، غلام امام شہید کو بھی نعت گوئی میں خاصی شہرت حاصل ہوئی ۔نعت گوئی اب صرف موضوع کا معاملہ نہیں رہا بلکہ ایک توانا صنفِ ادب کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے جس کا ہیئتی کینوس اِس لیے وسیع ہے کہ نعت لکھنے کے لیے کسی ہیئت کی قید نہیں ۔نعت غزلیہ ہیئت سے لے کر ہائیکو، رباعی، مسدس، مخمس، مثنوی، آزاد، معرا اور نثری نظم کسی بھی ہیئت میں لکھی جا سکتی ہے۔نعت نگاری کی ایک طویل تاریخ موجود ہے۔اُردو زبان میں ابتدا ہی سے کسی نہ کسی شکل میں نعت کہی جاتی رہی ہے۔خسرو سے میر، مصحفی، نظیر، انشا، ناسخ، غالب، مومن، ذوق، حالی، شبلی، اقبال، ظفر علی خان سے لے کر امیر مینائی، محسن کاکوروی، بیدم وارثی، احمد رضا خان بریلوی، ماہر القادری، راغب مُراد آبادی اور بہزاد لکھنوی تک بے شمار قدآور شخصیات نے اپنے اپنے رنگ میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و عقیدت میں گُل ہائے عقیدت کے چمن زار آباد کیے ہیں ۔اُردو زبان میں محققین نے جن ابتدائی نعت گوؤں کی نعوت تلاش کر کے حوالے کے طور پر درج کی ہیں اُن میں سیّد محمد حسینی (پ ۷۲۱ھ)، فخر الدین نظامی (اُن کی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کی تصنیف کا زمانہ ۸۲۵ھ تا ۸۳۹ھ ہے)، محمد قلی قطب شاہ (پ ۹۷۳ھ)، ملا وجہی (پ ۱۰۰۱ھ)، عبداللہ قطب شاہ (پ ۱۰۲۳ھ)، نصرتی م ۱۰۸۵ھ)، اور ولی دکنی (پ ۱۰۶۰ھ) وغیرہ شامل ہیں۔یہی وجہ ہے کہ مسلمان نعت گوؤں کے ساتھ ساتھ غیر مسلم خاص طور پر برصغیر کے ہندوؤں نے بھی خوب نعتیں لکھیں۔خاص طور پر دلو رام کوثر اور سرکشن پرشاد شاد ایسے شعرا ہیں جنھوں نے بہت نعتیں کہی ہیں۔غیر مسلم شعرا کے حمدیہ، نعتیہ اور رثائی کلام کے کئی ضخیم انتخاب شائع ہو چکے ہیں ۔کنور مہندر سنگھ بیدی نے کیا خوب کہا تھا:

پیار ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں

صرف مسلم کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ اجارہ تو نہیں

کوئی تجزیہ نگار بھی اُردو نعت گوئی کے ابتدائی دور میں کی جانے والی سراپا نگاری سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا۔ تشبیہات کا استعمال بھی سراپا نگاری میں بہت اہم ہوتا ہے کہ محبوبِ خدا کے گیسوئے پاک، لب و عارض، ابرو، جبینِ اقدس اور خدوخال وغیرہ کا ذکر بطور مشبہ اور اُن کی کائنات کی حسین ترین اشیا (مشبہ بہ) سے نسبت قائم کرنا شعرا کو بہت مرغوب تھا۔ یہ حقیقت بہر حال اپنی جگہ پر موجود ہے کہ ایسے قصائد پر کبھی کبھی محبوبِ مجازی کے حسن کی ستائش کا گمان بھی گزرتا ہے۔ لیکن جب آزاد، حالی اور شبلی وغیرہ نے ۲۰ ویں صدی کی آخری دہائیوں میں نعت کی ہیئت میں تبدیلیاں کیں تو اُس کے اثرات نعت کے موضوعات پر بھی پڑے۔ ایک طرف تو نعت انفرادی جذبات واحساسات کی بجائے اجتماعیت کی طرف آئی اور دوسری طرف اِس کے دیگر موضوعات میں بھی وسعت آئی۔ قلبی کیفیات و واردات کے ساتھ ساتھ شعوری مشاہدات واحساسات نے بھی جگہ پائی۔ کسی کو دیارِ رسولؐ کے محبت نے تڑپایا تو اذنِ حضوری کا منتظر ہے، کوئی دوری ومہجوری میں تصورات کی آنکھ سے سبز گنبد کے جلوؤں سے سیراب رہتا ہے۔ کوئی اضطراب اور بیقراری میں صبا کے ہاتھ پیغام روانہ کرتا ہے۔ کسی کو کائنات کا گوشہ گوشہ سرزمینِ حجاز کی خوشبو سے معطر محسوس ہوتا ہے۔ کوئی کائنات کے ذرّے ذرّے میں رسول اللہ کے انوار اور آپ ﷺ کا حسن و جمال تلاش کرتا ہے۔ کوی طیبہ کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنانے کا آرزومند ہے اور کوئی راہِ طیبہ کے مسافروں کے لیے شجر سایہ دار بن جانا چاہتا ہے۔ کوئی وہاں جاکر آسودۂ خاک ہوجانا چاہتا ہے۔ کوئی خواب اور سپنوں میں دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی پیاس بجھانا چاہتا ہے۔ کئی آپؐ کے واقعات اور معجزات کا ذکر کرتا ہے تو کوئی ظہورِ قدسی سے پہلے اور بعد کے حالات کو اشعار کا موضوع بناتا ہے۔ کوئی نعت گوئی سے تبلیغ و اصلاح کا کام لیتا ہے تو کوئی امت کی حالت زار بیان کرتا ہے۔ یہ سماجی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد دراصل پاک نبیؐ کی سیرت اور آپ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ کو عام کرنے سے ہوتا ہے اور

نعت گو شعرا کا ایک طبقہ یہ کام خوب صورتی سے کر رہا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ عہد میں شعور و ادراک بھی بہت اہم ہو گیا ہے۔ ہمارا تخلیق کار بھی جانتا ہے کہ انسانی معاشرے میں اخلاقی اقدار دم توڑ رہی ہیں۔ سچائی، حق پرستی، محبت، باہمی عزت و احترام اور دردمندی و احساس کی روشنی کی جگہ خود غرضی، مفاد پرستی اور مردہ ضمیری کی تاریکی ہمارے ذہنوں اور سوچوں پر مسلط ہو رہی ہے جس سے مثبت نمود اور پیش رفت مفقود ہے۔ انسان کربلائے عصر میں کھڑا ہے۔ حساس اور باشعور ذہنوں پر روز قیامتیں ٹوٹتی ہیں۔

پھر خاکداں کو تیری ضرورت ہے لوٹ آ
یہ بات کس سے دہر میں تیرے سوا کہوں
(شہزاد احمد)

عشق و محبت کا جذبہ بھی انسان کے جبلت میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو شاعری میں لکھاریوں نے عشق مجازی میں محبتوں کے رنگوں کا اِس قدر استعمال کیا ہے کہ تصور کے اصل نقوش ہی غائب ہو گئے ہیں۔ بات بوالہوسی تک جا پہنچی ہے۔ ایسے میں ثنائے مصطفیؐ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اُس میں ہمیں رنگِ تعیش کی بجائے عشقِ حقیقی کے رنگ نظر آتے ہیں۔ حضرتِ علامہ نے اپنے فلسفۂ عقل و عشق میں حبِ رسولؐ کی بنیاد ہی ہر عشق کی برتری ثابت کی ہے تاکہ محبوبِ یزدان کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں ہو جائے۔

نعت گوئی کے حوالے سے ایک اور بات انتہائی ضروری ہے۔ ترقی پسند تحریک کے اکثر شعرا و ادبا اپنی مخصوص لبرل سوچ کی وجہ سے حمدیہ و نعتیہ تخلیقات سے دور تھے (راقم الحروف نے لفظ ''اکثر'' استعمال کیا ہے)، اِس صورتِ حال میں اسلامی اور پاکستانی ادب تحریک کا بھی آغاز ہوا۔ اگرچہ فوری طور پر اسے زیادہ کامیابیاں نصیب نہ ہوئیں مگر نعیم صدیقی، ماہر القادری، فروغ احمد آسی ضیائی، عاصی کرنالی، اسرار احمد سہاوری، غافل کرنالی، تحسین فراقی وغیرہ نے قابلِ قدر کام کیا۔ ان شعرا نے نعتیہ شاعری کے ذریعے اسلامی اقدار کو فروغ دیا۔

اِن مشاہیر نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ، رسولِ ہدا کے فیضان، کرم گستری، آپؐ کی سیرت اور اُس تہذیب اور انسانی دستور پر بات کی جو اللہ کے حبیب نے مدینہ کی ریاست میں نافذ کر کے اُسے پہلی فلاحی ریاست اور تہذیب یا دفتہ دنیا کے لیے نمونہ بنا دیا۔ مذکورہ بالا اسلامی فکر کے حامل نعت گوؤں کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔ ایک طرف نعیم صدیقی نے اگر ہئیتی سطح پر نعت کا کینوس وسیع کیا تو عاصی کرنالی نے اسلوبیاتی کمالات سے نعوت کو شہکار بنا دیا۔

چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

کہاں سے مجھے رفعتِ خیال ملے
کہاں سے شعر کو اخلاص کا جمال ملے
کہاں سے قال کو گم گشتہ رنگِ حال ملے
حضور ایک ہی مصرع یہ ہو سکا موزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں
(نعیم صدیقی)

ذاتِ نبیؐ پہ ختم ہے کون و مکاں کا ہر شرف
آپؐ رسولِ جزو کُل، آپؐ امامِ انس و جاں
نازشِ انتخاب ہے اس کی نگاہِ انتخاب
شاخِ حرم کو چُن لیا جس نے برائے آشیاں
(ماہر القادری)

جب سے مجھے در پیش مدینے کا سفر ہے
جس راہ سے چلتا ہوں تری راہ گزر ہے
جتنا بھی یہاں جلوہ تہذیب بشر ہے
اے محسنِ عالم! ترا فیضانِ نظر ہے

طیبہ کی مساجد ہوں کہ طیبہ کی اذانیں
یہ خلدِ سماعت ہے، وہ فردوسِ نظر ہے
(عاصی کرنالی)

اِس بات کا اعادہ بہر حال ضروری ہے کہ نعت کے مضامین تھوڑے بہت فرق کے ساتھ وہی ہیں جو اُردو میں نعت گوئی کے ابتدائی دور میں تھے۔ کلام کو ایک مختلف شیڈ دینے اور الگ لذت سے آشنا اُس کا طرزِ اظہار کرتا ہے۔ پروازِ فکر، تخیل کی منہاج ومعراج اور اظہار کی رعنائی اور پختہ کاری کلام کے معیار کا تعین کرتی ہے۔ یکسانیت سے بچنے اور قارئین کو روحانی لذت اور وجدانی کیفیات میں مبتلا کرنے کے لیے چمن زارِ نعت میں ایسے پھول کھلانے کی ضرورت ہے جو اپنے رنگ میں جاذبِ نظر بھی ہوں اور اپنی بو باس میں مشامِ قلب و جاں کو معطر بھی کریں۔ قافیہ پیمائی تو غزل میں بھی اچھی نہیں کجا یہ کہ نعت گوئی میں جدید عہد کے تقاضوں کو فراموش کر کے محض رواجی و روایتی راستوں کا انتخاب کرلیا جائے اور ایسا کیوں کیا جائے کہ نعت کائنات کے وسعتیں کم نہیں ہیں۔ اِس کے امکانات کے اجالے غزل سے نظم، نظم میں معرا، آزاد اور نثری نظم تک، ہائیکو سے مسمط اور قصائد سے مراثی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جدید حسیت اور عصری حسیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے، جمالِ مصطفیؐ کے چراغ روشن کرتے چلے جائیں۔ یہ بجا ہے کہ نعت میں بھی مختلف ادوار کے ثقافتی رنگ اور رجحانات دکھائی دیتے ہیں۔ ہمیں تہذیبی رویوں کا پتا چلتا ہے لیکن یہ مناسب نہیں کہ اپنے عہد کے لا تعداد آشوب سے پہلو تہی کی جائے۔ بارگاہِ رسولِ محتشمؐ میں اپنی گزارشات ومعروضات، استغاثہ کی صورت میں پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ گویا اسلوب وفکر، دونوں اعتبار سے نعت کی صنف کو جدید عہد میں سانس لیتے ہوئے محسوس ہونا چاہیے۔ بلاشبہ آج کا نعت گو یہ کام بہ خوبی کر رہا ہے:

بند ہیں مجھ پہ جو در کھول دیئے جائیں گے
نعت لکھوں گا تو پر کھول دیئے جائیں گے
کشتئ جاں بھی نکل آئے گی طوفانوں سے
اسم پڑھتے ہی بھنور کھول دیئے جائیں گے
(دلاور علی آزر)

رولاں بارتھ نے بالکل درست کہا تھا" ہر مصنف پہلے سے موجود لسانی اور ادبی خزانوں کو کھنگالتا ہے، اخذ و قبول کرتا ہے،اور چلی آ رہی روایت کو نئی شکل دیتا ہے"۔لہٰذا مضامین کی تکرار کوئی حیران کُن بات ہرگز نہیں۔تکرار و توارد کا سلسلہ شعری دنیا میں بہت پرانا ہے۔فکری وحدت شعرا میں پائی جاتی ہے اور آئندہ بھی اُس سے دامن نہیں چھڑایا جا سکتا۔دنیا میں مضامین تو بیشتر روایتی رہتے ہیں لیکن بیان کے نئے نئے اسالیب سے ہر مضمون نیا نیا سا لگتا ہے۔تازہ کاری عمومی طور پر اسلوبِ بیاں سے آتی ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، جہاں اسلوبیاتی اور لسانی سطح پر جدید تر رجحانات تشبیہ و استعارہ ،شعری ترکیبیں ، علائم و رموز اور لفظی و معنوی صنعتوں نے جگہ پائی وہاں لاشعور و وجدان کے ساتھ شعور و ادراک کی جدّت و ندرت نے نعتیہ موضوعات کے سانچے میں ڈھل کے بتدریج ثنائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چمن زاروں کو شگفتہ وجاذبِ نظر کر دیا۔اس طرح مابعد جدید عہد میں نعت نے نئی کروٹ لی۔فکر وفن کی رفعتوں سے آشنا ہوئی اور موضوعات کی گونا گونی نے یکسانیت کو ختم کیا۔

راجا رشید محمود، شاکر القادری، صبیح رحمانی، شاعر علی شاعر اور طاہر سلطانی جیسے شعرا بھی موجود ہیں جو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ فروغِ نعت میں بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ان شعرا نے نعتیہ ادب کے فروغ کے لیے بہترین ادبی پرچے جاری کیے جس سے مدحتِ سرورِ انبیاؐ میں مستقبل کے کئی امکانات مزید روشن ہوئے۔

مقاماتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ہر مسلمان جانتا ہے کہ خالقِ دو جہاں کے بعد کائنات میں سب سے بڑی ہستی آخری نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں ۔ازل سے لے کر ابد تک کوئی آپؐ سا آیا، نہ ہے اور نہ کبھی آئے گا۔مصورِ کائنات نے جتنی صورتیں تخلیق کی ہیں، خالق و مالک نے جتنے ذی روح پیدا کیے ہیں کوئی اللہ کے حبیب کی گردِ پا تک نہیں پہنچ سکتا۔آپؐ کے مقامات ہماری سوچ ، ہمارے فہم و ادراک سے ماورا ہیں۔قلم انہیں حیطۂ تحریر میں نہیں لاسکتا۔یہ تو مقامِ محمدِ عربیؐ کے مقام و مرتبہ کا ایک پہلو ہے کہ آپؐ عالم کی ابتدا بھی ہیں اور انتہا بھی آپؐ ہی ہیں۔آپؐ بشر ہی نہیں فخر بشر اور عظمتِ بشر ہیں۔اُس سے بڑھ کر بے بصر کوئی نہیں جو مقامِ بندگاں اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرق کو نہ سمجھے۔

کوئی لفظوں میں کیسے بتائے اُن کے رُتبے کی حد ہے تو کیا ہے
ہم نے اپنے بڑوں سے سُنا ہے صرف اللہ اُن سے بڑا ہے
(اقبال عظیم)

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰؐ کے بعد
(قتیل شفائی)

کوئی خوشبو بھی اُس سے تو مماثل ہو نہیں سکتی
مرے آقا کی تھی اک اور ہی معیار کی خوشبو
(نسیم سحر)

آپ کونین کے مرکزی انسان اور اقلیمِ ہست و بود کے بادشاہ ہیں ۔آپؐ روحِ ازل بھی ہیں اور نورِ ابد بھی، آپ محبوبِ کردگار بھی ہیں اور جان و جانانِ دو جہاں بھی۔آپؐ سرورِ دین و

دنیا بھی ہیں اور میر عرب اور سالارِ عجم بھی۔ آپؐ شاہِ امم بھی ہیں اور ختم الرسل بھی۔ وہ چاند جو بنو ہاشم کے گھرانے میں طلوع ہوا، اُسی کی تجلی سے آدمؑ کی پیشانی روشن ہوئی۔ آپؐ رسالت کی بزم کے صدر نشین ہیں۔ حبیب اللہ نوعِ بشر کی انتہا اور تفسیرِ قرآں ہیں۔ آپؐ انسان کی وہ تصویر ہیں جو ذہنِ کبریا میں تھی۔ آپؐ سرچشمۂ انوارِ ازل بھی ہیں اور شہرِ ابد کا اجالا بھی ہیں۔ مقامِ مصطفیؐ کے حوالے سے مظفر وارثی، اثر صہبائی، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، طفیل ہوشیار پوری، عارف عبدالمتین، ریاض حسین چودھری، ماہر القادری، سیّد انوار ظہوری، قمر یزدانی، احسان دانش، راسخ عرفانی، حیرت الہ آبادی، نذر صابری، ساقی گجراتی، آسی ضیائی جیسے نعت گوؤں نے مقدار کے اعتبار سے زیادہ اور معیار کے حوالے سے خوب لکھا۔ ہمارے حواس اور ہماری نگاہ آپؐ کے مقام تک کیا پہنچ پائے گی کہ وہاں تو عقل وخرد، شعور وادراک، خیالات و تصورات کا گزر بھی ممکن نہیں جو رفعتیں آپؐ کی رسائی میں ہیں۔ امام الناس اور شہ ہر دوسرا کی ثنا بیان کرتے وقت محبانِ رسولِ محتشم کا مقام دیگر انبیاؑ اور رسلؑ کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ اِس موضوع کا یہ بھی ایک خوب صورت پہلو ہے کہ آپؐ انبیاؑ میں بلند مرتبہ ہیں۔ نعت گوؤں نے آپؐ کو ستاروں کے جھرمٹ میں ماہِ درخشاں قرار دیا ہے۔ آپؐ انبیاؑ میں ایسے ہیں جیسے کہ پھولوں میں گلاب ہوتا ہے۔ گویا سارے انبیاؑ ستاروں کی مانند اور پیغمبرِ آخریں چاند ہیں۔ حضرت یوسفؑ کا سحر آفریں حسن تھا جس کی بدولت زنانِ مصر نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ مرحبا سیّدِ مکی و مدنی کہ آپؐ کی حرمت آپؐ اسلام کے نوجوان اپنی گردنیں کٹوانا فخر محسوس کرتے ہیں۔ بے شک تمام انبیاؑ قابلِ احترام ہیں مگر سب مقتدی اور سردارِ دو عالمؐ امام بن کر کھڑے تھے۔ آپؐ ہی نورِ ازل اور چراغِ ابد ہیں۔ یہ اعزاز بس آپؐ ہی کے حصے میں آیا ہے۔ آپؐ کے سوا کوئی نہیں کہ جس کو شفیع المذنبیں اور رحمت للعالمین کا تاج پہنایا گیا ہو۔ یہ گنجِ سعادت آپؐ ہی کا حصہ ہے۔ آپؐ رسالت کی انگشتری کا نگیں ہیں کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی اور رسول دنیا میں نہیں آئے گا۔ آپؐ محبوبِ خدا بھی ہیں اور ختم الانبیا بھی ہیں۔ آپؐ دعائے خلیل

اللہ بھی ہیں اور آرزوئے کلیم اللہ بھی ہیں۔ آپؐ چراغِ راہِ ہدایت اور فخرِ موجودات ہیں۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپؐ پر نازاں ہے۔ جن وانس اور ملائک میں سے کوئی بھی نہیں جسے ہادیٔ برحق، رسولِ اکرمؐ کی طرح حریمِ قدس کا مہمان بنایا گیا ہو اور دلیلِ عظمتِ نوعِ بشر بنایا گیا ہو۔ کسی اور پر نہیں صرف غم گسارِ نسلِ آدم پر اللہ پاک نے اسرارِ کائنات وا کر دیئے اور انہیں محرمِ راز بنایا۔

خدا نے ذاتِ احمدؐ کو وہ اعلیٰ مرتبہ بخشا
کہ دم بھرتے ہیں ہر دم حضرتِ عیسیٰؑ محمدؐ کا
(مصطفی علی خان شیفتہ)

حلقے میں رسولوں کے وہ ماہِ مدنی ہے
یا چاند کی تنویر ستاروں میں جمی ہے
(امیر مینائی)

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سَر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب
(احمد رضا خان بریلوی)

محمد کون ، تصویرِ بشر ہے ظاہری جن کی
گروہِ انبیاؑ میں ہے نبوت آخری جن کی
(سیّد انوار ظہوری)

پھولوں میں بھی ایسا تو کوئی پھول نہیں ہے
جیسے کہ رسولوں میں ہیں وہ فخرِ رسولاں
(اکرم کنجاہی)

اِس طرح سے نبیوں میں ہیں سرکارِ دو عالم

باغیؔ ! چمنِ شوق میں جیسے گُلِ تر ہو

(رئیس باغی)

نام نبیوں کے بے شک بڑے ہیں عظمتوں کے نگینے جڑے ہیں

مقتدی بن کے پیچھے کھڑے ہیں وہ جو پہلے سے آئے ہوئے ہیں

(کمال الدین)

تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے یا نبیؐ

بس سر پہ تیرے نور کا ہے تاج بادشاہ

(تلک راج پارس)

انبیا لاکھوں گئے اپنی سی کوشش کر کے

خوابِ یزداں ترے تعبیر بتانے سے کُھلا

(شبیر حسن)

متاعِ ہوش و خرد کی دوانگی پہ نثار

بس اُن کے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

(طلحہ رضوی برق)

آپ کے مقام و مرتبے سے کوئی خاکی، نوری و ناری آشنا نہیں ہوسکتا۔ آپ کی عظمتوں سے ربِ دو جہاں ہی واقف ہے۔ ساکنانِ عرش بھی اُس روشنی کو انگشت بہ دنداں دیکھتے ہیں جو غارِ حرا سے اٹھی اور منزلِ قوسین تک پہنچی، یہی وجہ ہے کہ سب آسمانی کتب آپ کی توصیف و ثنا کی گواہ ہیں کہ خالقِ ارض وسما نے خود آپ کی مدح فرمائی اور قران میں آپ کی سب خطابات والقابات لکھ دیئے۔ آپ کی عظمت اور کیا ہو کہ اللہ کریم نے آپ کو اپنا حبیب لکھا ہے اور اپنی رضا آپ کو بخش دی۔ انہیں کائنات کا سردار بنایا سروری کا تاج آپ کی سر پہ سجایا۔ آپ پر مالک انس و جاں نے نبوت و پیغمبری کا سلسلہ ختم کر دیا۔

سطرِ خاتم تھا خُدا کے آخری فرمان کا
سلکِ تسبیحِ رُسل کا آخری مرجان تھا

(خالد احمد)

ہوتے نہیں چراغ فروزاں سحر کے بعد
کوئی نبی نہ آئے گا خیرالبشر کے بعد

(واجد امیر)

اِس لیے آپ کے مقامات کا بیان کسی بندہ و بشر کے بس کی بات نہیں کہ آپ کی ذات جلیلہ شعور و ادراک سے ماورا ہے۔

عجزِ بیاں

جس ہستی پر اللہ کریم اور اُس کے فرشتے بھی درود و سلام بھیجتے ہیں اور انسانوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کسی ذی روح کی کیا بساط کہ اُس کی تعریف کا حق ادا کر سکے۔ شیخ قلندر بخش جرات نے تو ایک خوب نقطہ بیان کیا ہے۔ غور فرمایئے:

محمدؐ ہے نبیؐ ممدوحِ ذاتِ کبریائی کا
کہے بندہ اگر مدح اُس کی، دعویٰ ہے خدائی کا

اور سیّد سلیمان ندوی نے کہا:

پڑھتا ہے درود آپؐ ہی تجھ پر ترا خالق
تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

وہ ایسی ہستی کہ جس کی غذا نانِ جویں مگر سارا جہان اُن کے در کی گدائی پر نازاں۔ بہر حال ہر نعت گو نے اپنے فکر و فن کی بہترین موتی چُن کر آپؐ کی خدمت میں محبت و عقیدت کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ اپنا علم و ہنر آپؐ کے در اقدس پر رکھ دیا ہے اور ساتھ ہی اپنی کم علمی، بے

بضاعتی اور کم مائیگی کا اعتراف کیا ہے۔آپؐ کی ذات کسی سخن ور کی مدح وثنا کی حاجت مند نہیں ہے، یہ تو محبانِ محبوب کردگار کی عقیدت ہے کہ پروانے اُس شمع ہدایت کے گرد جمع رہتے ہیں۔ عقیدت کے اظہار کے نام پر گلاب و مشک سے دوری و مہجوری کی روداد لکھ کر پیش کر دیتے ہیں۔ہر ثناخوان چاہتا ہے کہ وہ پلکوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصیدہ لکھ کر اپنے انکسار فن کے ساتھ خدمتِ اقدس میں پیش کرے۔صاحبانِ علم کو مدح خوانی کے وقت یہ بھی احساس دامن گیر ہوتا ہے کہ روحِ قرآن کی تفسیر کو سکوں تو پیکرِ نور کے سراپے کو اشعار میں ڈھالنا ممکن ہو سکے گا اور تب ہی جا کر کلام میں تاثیر پیدا ہو گی۔قلم بھی جب نعتِ پیغمبرؐ بیان کرتا ہے، اُن کے ذکرِ جمیل میں محو ہوتا ہے تو عقیدت اور احترام سے اُس کی گردن خم ہوتی ہے۔پھر بھی ہر تخلیق کار کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے بہترین جذبات واحساسات کے موتی فن کی لڑی میں پرو کر بے مثال تحفہ اپنے محبوب کی خدمت میں پیش کرے۔اُس کے لیے وہ یہ ضرور سوچتا ہے کہ کاش اُسے فکر وفن میں وہ دسترس اور کمال حاصل ہو جائے کہ ایسا کچھ لکھ سکے جو آقا کے شایانِ شاں ہو۔

بشر کی تاب و طاقت کیا جو لکھے نعت احمدؐ کی
خدا کی جانتا ہے خوب بس رتبہ محمدؐ کا
(مصطفیٰ علی خاں شیفتہ)

مری گرہ میں بھی کیا تھا سوائے عجزِ بیاں
کہ جس کا آج سرِ بزم کھل گیا ہے بھرم
کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں قرینۂ موزوں
میں کس طرح سے لکھوں نعتِ ہادئ اعظم
(انور مسعود)

فکر آغاز میں کس طرزِ بیاں سے لاؤں
حسنِ مطلع کے لیے رنگ کہاں سے لاؤں

لفظ و معنی کی لُغت نعت کی خاطر آقاؐ
چاند تاروں کے فرشتوں کے جہاں سے لاؤں
(اکرم کنجاہی)

یہاں غلو اور دروغ گوئی کا کوئی کام نہیں۔نعت گوئی کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔عجز و انکسار اِس کا پہلا تقاضا ہے۔شعرا عام طور پر اپنے کلام میں تعلّیٰ سے کام لیتے ہیں مگر نعت نگاری میں ایسا سوچنا یا کوئی لفظ لکھنا جس سے اپنے فن سے متعلق کسی نخوت کا اظہار کیا گیا ہو، انتہادرجے کی بے ادبی اور گستاخی شمار کی جاتی ہے۔یہاں تو اہلِ دانش پہلے اعتراف کرتے ہیں کہ آپؐ کی مدحت کے لیے میں اور میرا قلم ہیچ، میری فکر اور طرزِ ادا ہیچ، میری دانش میرا نطقِ بیاں ہیچ۔میں تو صرف عقیدت میں جملے لکھے چلا جا رہا ہوں ورنہ میری فصاحت و بلاغت ہیچ، میرے برہان و خرد ہیچ میرے قلب و جاں ہیچ۔غالبؔ کی افتادِ طبع مدحِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عجز و انکسار کا اعتراف ایک انوکھے انداز میں کرتی ہے اور قبولِ عام کا درجہ پاتی ہے:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کہ آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

نعت نگاری تو وہ شعبہ ہے کہ حالی کو اعتراف کرنا پڑا کہ ’’حریفِ نعتِ پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں سخن حالی‘‘ اور ہمارے عہد کے ایک صاحبِ علم شاعر خورشید رضوی نے کہا کہ نعت کا خیال آئے تو آداب و مشکلات کا تقاضا تو یہ ہے کہ خاموش ہوجایئے۔یہ تو صرف اللہ اور اُس کے حبیب کا فیضان ہے کہ ذہن کی خالی تھالی میں ہُنر کے موتی ڈال دیتے ہیں ورنہ نعتِ پیمبر ہم عاصیوں کے لیے آسان تھوڑی ہے۔

پلِ صراط پہ چلنا ہے نعت بھی آزر
کسی طرح نہ بڑھایا نہ اُن کو کم کیا جائے
(دلاور علی آزر)

بس یہ عشق و محبت کا معاملہ ہے کہ منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ جب تک دل غارِ حرا اور جاں صحنِ حرم نہ بنے، کوئی سخن ور مظفر وارثی بھی نہیں بنتا۔ نہ اُس کی نوا کوئی پہچانتا ہے اور نہ ہی اُس کے سخن تاثیر آشنا ہوتے ہیں۔ جب قلم کار نعت کہتا ہے تو آنکھوں کے اشک حروفِ دعا بن جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تصورات میں تشریف لا کر خود قلم پکڑنا سکھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو کے الفاظ بھی دست بستہ ہو جاتے ہیں، بیاضِ شوق میں خود کو کم نما پاتے ہیں اور وہ خود کو بھی دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں دست بستہ حاضر محسوس کرتا ہے۔

خدا تیرا معرّف ہے ملک تیرے مؤصّف ہیں
نہیں حدِ بشر کہنا ترے اوصاف بے حد کا
(ناسخ)

کس رخ کروں قصیدۂ شاہِ امم تمام
تشبیب ہی میں ہو گئی تابِ سخن تمام
(خالد احمد)

لازم ہے اِس سے پہلے کہ نعتِ نبیؐ لکھوں
جو کچھ لکھا ہے ، کچھ نہیں لکھا، یہی لکھوں
(محسن بھوپالی)

اذن مل جائے تو لکھوں مدحِ ممدوحِ خدا
منتظر بیٹھا ہوں تیار ہے میرا قلم
(دلاور علی آزر)

اُن کی دہلیز پہ رکھ دے جو انائیں اپنی
تب وہ بنتا ہے ثنا خوانِ رسولِ عربیؐ
(عبدالرحمن کاشف فاروقی)

ظہورِ قدسی

عشق ومحبت اور حبِ دیارِ رسول ﷺ کے بعد ظہورِ قدسی سب سے بڑا نعتیہ موضوع کہا جاسکتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بڑی تعداد میں میلادنامے لکھے گئے۔ میلاد کی محافل کا انعقاد تو اب بھی بڑے ذوق وشوق سے کیا جاتا ہے۔ شہر شہر، نگر نگر اور قریہ قریہ ربیع الاوّل میں جلسوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ رسول اکرمؐ ہادیٔ برحق کے دنیا میں جلوہ افروز ہونے اور تشریف لانے یعنی میلاد کے موضوع پر خوب لکھا اور پڑھا گیا۔

لے کے پہلو میں غمِ الفتِ نادار آئے
امّتی امّتی کہتے ہوئے سرکار آئے
(اعظم چشتی)

مذہبی مقررین نے جذبات کو برانگیختہ کرنے کے لیے ایسا کلام پڑھتے ہیں جو کئی مقامات پر قابلِ گرفت بھی ہوتا ہے۔ ایسے میں ادب کے قرینوں اور پورے علمی قدوکاٹھ کے ساتھ شعر کہنے والوں نے اس موضوع کی بھی لاج رکھی۔ نعت کا یہ مضمون اپنے اندر خاصی وسعت رکھتا ہے۔ بات حضور ﷺ کی آمد پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اُس سے انسانی معاشرے پر جو ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے وہ بھی نعت گوئی کا حصہ ہیں۔ انقلابِ محمدی ﷺ دنیا کا عظیم ترین انقلاب ہے جس نے نہایت کم عرصے میں عالمِ انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ظہورِ قدسی کے ساتھ دو اور اہم موضوعات جو پیوست ہیں اور اُنہیں جدا نہیں کیا جاسکتا وہ نبیؐ کی بعثت سے پہلے کے حالات اور پھر رسالت ونبوت کا انقلاب آفریں کام ہے جس نے انسان اور اُس کے معاشرے کو یکسر بدل دیا۔

ہر شخص پہ وحشت غالب تھی، ہر تیغ لہو کی طالب تھی
اُس لہجے کی نرماہٹ نے دل موم کیے حیوانوں کے

(اسلم کولسری)

زمیں نے رنگ بدلا آسمانوں پر شباب آیا
کہ حصے میں خدائی کے خدا کا انتخاب آیا

(احسان دانش)

آپ ﷺ سے پہلے عرب معاشرے کی سماجی، معاشرتی، سیاسی، اور مذہبی حوالے سے عجیب حالت تھی، انسان خود تراشیدہ بتوں کے آگے سجدہ ریز تھا۔ شرفِ انسانی دم توڑ چکا تھا۔ اللہ کا تصور اور سابقہ انبیا کرام کی تعلیمات مٹ چکی تھیں۔ اللہ کا پیغام مسخ ہو چکا تھا۔ خدائے یکتا کو فراموش کر کے گم کردہ راہ انسانوں نے کئی بُت تراش لیے ہوئے تھے۔ مذاہب کی حقیقی روح مجروح و گھائل تھی۔ کفر و شرک عام تھا۔ تاریخ کی کتابیں اُس پر بہ خوبی روشنی ڈالتی ہیں۔ ہر طرف ظلمتیں خیمہ زن تھیں۔ انسان بھٹک رہا تھا۔ جہل کے اندھیروں میں انسانیت سسکیاں لے رہی تھی۔ قلب و ذہن میں روشنی تھی نہ ہی ماحول اور معاشرے میں راہنمائی کی روشنی تھی۔ ہر طاقت ور چیز کو خدا بنا لیا جاتا تھا۔ جس اُس سے کوئی زیادہ زور آور نظر آتا تو اُس کی پرستش شروع کر دیتے۔ چاند، سورج، آگ، روشنی، ستارے، جن الغرض کیا کچھ نہیں تھی جسے اُنہوں نے معبود نہ بنا رکھا ہو۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تعلیمات کے اثرات مٹ چکے تھے۔ ایسے دگر گوں حالات میں اللہ پاک نے ایک ایسا رسول ﷺ دنیا میں مبعوث فرمایا جو کسی ایک خطے، علاقے، نسل، زبان یا عہد کے لیے نہیں تھا۔ اُس کی رسالت و نبوت تا ابد تھی۔ جس نے نہایت قلیل مدت میں دنیا کی حالت بدل ڈالی۔ انسان کے دکھوں کا مداوا کیا اور زخموں پر اپنے حسن اخلاق و کردار کا مرہم رکھا۔

کیا حسین پھول کھلا شاخِ بنی ہاشم پر
جس کی خوشبو سے معطر ہے زمانہ سارا
کس طرح اس نے زمانے کو بدل ڈالا تھا

اس زمانے پہ تو ششدر رہے زمانہ سارا
(انور مسعود)

سن سن کے جس کو کروٹیں لیتا رہا جہاں
تیرا ہر اک سخن جرسِ انقلاب تھا
(عارف عبدالمتین)

تو نے انساں کو دیا معنیٔ انساں کا جمال
کس پہ احسان نہیں ہے شہ والا تیرا
(اسلم انصاری)

غارِ حرا سے روشنی پھُوٹی جہان میں
نخلِ وجودِ زیست ثمر بار ہو گیا
(علیم اطہر)

بھٹکتا پھرتا جہاں کفر کے اندھیروں میں
گر نہ ہوتا جہاں میں جمیل ان کا ورود
(جمیل نقوی)

نعت کرم اور عطا ہے

نعت عطا اور کرم کا معاملہ ہے۔ یہ صنفِ سخن ذاتِ رسولِ پاکؐ کے قریب کر دیتی ہے۔ آپؐ کے حسن و جمال کے علاوہ آپؐ کے سیرت و کردار اور آپؐ کے واقعات و معجزات کی صورت گری کا نام نعت ہے۔ کچھ شعرا کے نزدیک یہ دوری و مہجوری میں دل کا کرب اور تڑپ بیان کرنے کا ذریعہ ہے۔ دل میں آپ کے عشق و محبتؐ کی شمع فروزاں ہو تو محبوبِ خالقِ ارض و سما کے چشمِ عنایت ہوتی ہے اور نعت کے لیے فکروفن کے موتی جھولی میں ڈال دیئے جاتے ہیں

اور شاعر نعت گوئی سے معتبر ہو جاتا ہے اُس کی شخصیت کو وقار و اعتبار ملتا ہے۔ نعت کے لیے محبت بھرے وجدان و لاشعور اور عقل و فہم کے حامل شعور و ادراک کے ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ نعت میں غزل کی طرح مبالغہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ سوچا جائے تو عشق و محبت اگر نعت گوئی کی اساس ہے تو شکر و سپاس گزاری کا نغمہ ہے۔ یہ تو کائنات کی عظیم سچائی اور سچائیوں کا صدف ہے۔ اِس لیے کہ نعت نغمۂ رَبّانی کا تسلسل ہے۔ چوں کہ نعت منشا ہے رب الا رباب کا، اِس لیے فکر کے موتی وہیں سے ملتے ہیں، لہٰذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ نعت کہی نہیں جاتی کہلوائی جاتی ہے بالکل درست بات ہے ورنہ بے تاثیر قافیہ پیمائی کے سوا نعت گو کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔

مدحتِ آقا میں ناممکن ہے سیرابی فہیمؔ!
ہم ثنا لکھتے رہے اور تشنگی بڑھتی رہی
(فہیم ردولوی)

مجھے تو نعتِ نبی شاد کام رکھتی ہے
یہ اک گہر ہے بہت شاعری کے دامن میں
(قاسم رضا صدیقی)

فرشتوں نے مری لوحِ عمل پر روشنی رکھ دی
ثنا خوانِ محمد لکھ دیا اوّل سے آخر تک
(صبیح رحمانی)

رات دن میں کروں بات سرکار کی
ہو حوالہ مرا نعت سرکار کی
(ارشد شاہین)

میرے آقا ﷺ نے مجھے نعت کی دولت دے دی
ایسی خیرات کوئی اور کہاں دیتا ہے؟

(یاور عظیم)

آقاؐ مجھے بھی حرفِ عقیدت عطا کریں
آقاؐ مجھے بھی حسرت و ارمانِ نعت ہے
تھا آشنائے طرزِ تکلم عروس کب
حاصل ہے جو کمال بفیضانِ نعت ہے

(عروس فاروقی)

مابعد جدید عہد میں نعت گوؤں نے ''نعت گوئی'' کو ایک موضوع کے طور پر بھی برتا ہے۔ وہ ایک طرف تو نعت گو کی حیثیت سے فخر محسوس کرتے ہیں، اسے توشۂ آخرت قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف نعت کہتے ہوئے۔نعت کی تعریف وتشریح بھی بیان کرتے ہیں۔نعت کے تقاضے واضح کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک نعت کا ایک دل کش موضوع ہے۔جس پر ریاض حسین چودھری، حفیظ تائب، جعفر بلوچ نے بہت خوب لکھا ہے اور نعت کے مضمون میں قاری کو بتایا ہے کہ نعت کیا ہے؟اور انسان کے ذہنی وقلبی کیفیت کیا ہوتی ہے جب وہ نعت کہتا ہے۔ایسی تمام نعوت جن میں نعت کو ایک موضوع کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اُن میں ثنا خوانوں نے یہ بھی واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ نعت کا فکری کینوس محدود نہیں ہے۔ دیگر نعت گو جن کے ہاں ''نعت'' ایک موضوع کے طور پر نظر آتی ہے اُن میں سیّد سجاد رضوی، نظیر لدھیانوی، منصور احمد خالد اور رشاد عظیم آبادی کے نام اہم ہیں۔نعت وصفِ پیمبرؐ کا تذکرہ بھی ہے اور عظمتِ نورِ مبیں کی بات بھی ہے۔نعت مرکزِ تجلیات و جمالیات کا بیان بھی ہے اور سراپا انوار و جمال کی باتیں بھی۔نعت گوئی کے تقاضوں میں حسن ارادت اور فہمِ کتاب و دیں ضروری ہے۔نعت گوئی کے لیے اوجِ فکر اور فن کا جمال ہونا چاہیے اور خیالوں میں طہارت و پاکیزگی ہونا ازبس ضروری ہے۔ ولائے میرامم ہو تو نعت ہوتی ہے۔اطاعتِ شہ دنیا و دیں اور اللہ کا خاص کرم ہو تو نعت ہوتی ہے۔چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

دیباچۂ سخن ہے شہ انبیاؐ کی مدح
محبوب ہے دلوں کو حبیبِ خدا کی مدح
(شاد عظیم آبادی)

نعت کیا ہے؟ تپشِ دل کا اظہارِ وفور
نعت کیا ہے ؟ دلِ بیتاب کا سامانِ قرار
(سیّد سجاد رضوی)

اِس میں لازم ہے جمالِ فن بھی ، اوجِ فکر بھی
جتنی ممکن ہو خیالوں میں طہارت شرط ہے
(حفیظ تائب)

ولائے میر امم ؐ ہو تو نعت ہوتی ہے
خدا کا خاص کرم ہو تو نعت ہوتی ہے
نبیؐ کے عشق میں جینا، اسی میں مر مٹنا
یہی وجود و عدم ہو تو نعت ہوتی ہے
(جعفر بلوچ)

نعت کیا ہے؟ وصفِ ختم المرسلیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تذکرہ
نعت کیا ہے؟ عظمتِ نورِ مبیں کا تذکرہ
نعت کیا ہے؟ نکہتوں کی سر زمیں کا تذکرہ
نعت کیا ہے؟ سب حسینوں کے حسیں کا تذکرہ
(ریاض حسین چودھری)

باعثِ تخلیقِ کائنات

نبی جی کے دم سے رونقِ بزمِ کائنات ہے۔آپ کائنات کی تخلیق کا نقشِ اوّلیں ہیں۔ تمام ہست و بود اور نظامِ عالم آپؐ کے دم سے ہے،اِس لیے کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپ کا منت کش ہے۔ اِس جہان کے تمام باغ باغیچے اور اُن کی تزئین آپؐ کے دم سے درخشاں ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب صورت بات کہی تھی:

سب کچھ تُمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو

مولانا ظفر علی خان ہی نے اسی موضوع پر خوب لکھا:

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب
زینت ازل کی ہے تو رونق ابد کی ہے
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب

حدیثِ نبوی ہے''میں تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے''۔اس حدیث کی رو سے آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کُل موجودات سے اسبق (سبقت لے جانے والی) ہے،حضورِ اکرم ﷺ کی ذات ہی خلقت میں اول ہے اس لیے آپ کی نبوت بھی اول ہے۔ قرآنِ کریم کی سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۴۰ کی رو سے آپ ہی سلسلۂ نبوت کی تکمیل کرنے والے یعنی ''خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ'' ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شعراء نے آپ ﷺ کے حوالے سے ایسے متون بُنے ہیں کہ آپ ﷺ ہی اول ہیں اور آپ ﷺ ہی آخر ہیں۔جیسے اقبال نے کہا:

ع نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

کائنات میں کچھ نہ تھا۔یہ زمیں تھی نہ آسمان تھا۔نہ بزمِ مہ و انجم تھی نہ کہکشائیں تھیں،

حضرتِ آدم کی تو مٹی بھی گوندھی نہ گئی تھی یوں کہنا چاہیے کہ باعثِ تخلیقِ آدم بھی آپؐ ہی ہوئے۔ بلکہ وجہِ صدائے کُن فکاں آپؐ ہی تو تھے۔ دریا تھے نہ سمندر، میدان تھے نہ پہاڑ۔ آگ تھی نہ پانی۔ مٹی کھنکی تھی نہ پانی برساتھا مگر عناصرِ قدرت میں آپؐ کے ہونے کا چرچا تھا۔ وہ آپؐ کا نور تھا جو دو عالم کو ضیا بخشے ہوئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے افلاک اور دو عالم کی تخلیق ہوئی۔ اِس لیے خالق نے آپؐ سا دوسرا پیدا ہی نہیں فرمایا کہ جو اوصاف آپؐ کی ذاتِ شہِ والا میں ہیں، وہ آپؐ ہی کا حصہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گو شعرا اکثر یہ مضمون بھی باندھتے ہیں کہ آپؐ ایسی تخلیق ہیں جس پر اُس کے خالق کو ناز ہے، آپؐ ایسی تصویر ہیں جس پر مصور کو فخر ہے۔

ابھی مٹی نہ کھنکی تھی ابھی پانی نہ برسا تھا
مگر بزمِ عناصر میں ترے ہونے کا چرچا تھا
(خالد احمد)

مٹی بھی نہ آدم کی ابھی گوندھی گئی تھی
اُس وقت بھی نور اُن کا دو عالم کی ضیا تھا
(بشیر احمد بشیر)

تیرے لیے افلاک کی تخلیق ہوئی ہے
قائم ہیں ترے نام سے آثارِ دو عالم
(حافظ سلیم تابانی)

تخلیقِ کائنات کا وہ نقشِ اولیں
روحِ ازل کا آخری پیکر کہیں جسے
(حمایت علی شاعر)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام تر تخلیقات کا مرکز و محور ہیں۔ مظفر وارثی نے بات ہی ختم کر دی اُن کا ایک لازوال شعر ملاحظہ کیجیے۔ کہتے ہیں کہ روشی حق سے پھوٹ کر جسم بن گئی، وہی اللہ کے خاتم

المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اِس لیے حضور نہ ہوتے تو تو یہ جہاں کا نہ جانے کیا عالم ہوتا۔ ہم کہاں ہوتے، بلکہ ہم کہاں کے ہوتے۔

جو روشنی حق سے پھوٹ کر جسم بن گئی ہے وہی نبیؐ ہے
تمام تخلیق کا جو کردارِ مرکزی ہے وہی نبیؐ ہے
(مظفر وارثی)

گُماں تھے ایسے کہ آثار تک یقیں کے نہ تھے
حضور آپؐ نہ ہوتے تو ہم کہیں کے نہ تھے
(حنیف اسدی)

مختصر یہ کہ جب اِس جہان کی تخلیق کی ابتدا ہوئی تو ہر ہر شے تو آپؐ کے نور سے اُجالا دیا گیا۔ اِس لیے عالمِ امکاں کی نمود سے لے کر آرائشِ جمال تک کائنات کا وجود آپؐ کے دم سے ہے۔ یہ سلسلۂ ہست و بود کوئی جواز نہ رکھتا اگر آپؐ نہ آتے۔ مصدرِ لطف و عنایات، خلاقِ جہاں کی اوّلیں تخلیق بھی ہیں اور حسنِ تخلیق کی معراج بھی ہیں، نظامِ کائنات کا دار و مدار آپؐ کی ہستی پر ہے۔ آپ مقصودِ موجوداتِ عالم ہیں۔ قیامت تک ہر کاخ و کو آپؐ کی فیض و کرم سے آباد ہے۔ ہمیشہ کے لیے آپؐ دیباچۂ تخلیقِ دو عالم ہیں۔ آج بھی اقصائے عالم کا اجالا ہو یا نظامِ شمس و قمر، ترا ہی نور ہر شے میں جھلکتا ہے۔ تزئینِ بزمِ شش جہات بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ عالم گیر کے سبب ہے۔ مولانا ظفر علی خان، حافظ لدھیانوی، علامہ اقبال، راجا رشید محمود، انور جمال اور قمر یزدانی نے اِس موضوع پر دل کش نعتیں کہی ہیں۔

وہ محبوبِ خدا ہیں وجہِ تخلیقِ دو عالم ہیں
ہوئے آباد سارے کاخ و کو سرکارؐ کے دم سے
(راجہ رشید محمود)

جن کی خاطر یہ عالم بنایا اپنے گھر جن کو رب نے بلایا

اے حلیمہؓ یہ تیرا مقدر وہ ترے گھر میں آئے ہوئے ہیں

(کمال الدین)

سنی ہے میں نے بھی سر گوشی مہر و مہ کی منیر

یہ کس کے نور نے سارا جہاں اجال دیا

(منیر صابری کنجاہی)

تخلیقِ کائنات ہے سیّد کے نام پر

بارانِ شش جہات ہے سیّد کے نام پر

(ناصر ملک)

زمیں کا فرش بچھا، سات آسمان بنے

مرے رسول کے صدقے میں، سب جہان بنے

(ارشد شاہین)

حبِ دیارِ سرورِ انبیاؑ

نعت گوئی کا سب سے اہم، بڑا اور مرکزی موضوع ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی نعت گو نے اِس موضوع پر اشعار نہ کہے ہوں۔ مدینہ وہ شہر ہے کہ جہاں جن اور ملائک بھی اپنی جبیں جھکاتے ہیں کہ وہ پیغمبرِ اعظمؐ کی بستی ہے وہاں اُن کا گھر ہے۔ اِس شہر کے باسیوں کو یہ اعزاز ملا کہ اللہ کے مرسلِ اعظم اور اُن کے ساتھیوں کی مکہ سے ہجرت کے بعد انصارِ مدینہ نے میزبانی کی اور پھر جنگ اور امن ہر دو صورتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اپنے عشق اور اپنی عقیدت کا سچا اظہار کیا۔ اللہ کے رسول سے مہاجرین اور انصار کی مدد سے اسی شہر سے ایک ایسا عالم گیر انقلاب برپا کیا کہ جس کے اثرات تمام عالم میں محسوس کیے گئے۔ آپؐ نے ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا ہر فرد سیرت و کردار میں یکتا تھا۔ آگے چل کر آپؐ کے اصحابِ باصفا نے دنیا کی

امامت کا حق ادا کیا۔ مدینہ منورہ اور گنبدِ خضری کے دیدار کی تڑپ ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔ نعت گو شعرا تو اکثر دیارِ حبیب پاک کو اپنا مدفن بنانے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ وہ شہرِ رسول ﷺ کی زیارت کے بار بار خواہش مند ہوتے ہیں۔ اِس لیے کہ وہاں روحانی و جسمانی عوارض کی شفایابی کا اہتمام ہوتا ہے۔ وہاں خطا کاروں کو امید ہوتی ہے کہ اُن کی بخشش کا سامان ہو جائے گا۔ اِس لیے کہ وہ اُس رسول ﷺ کا دیار ہے جو کون و مکان کی سب ولایات کا رسول ﷺ ہے۔ ازل تا ابد ہر زمانے کا عظیم ترین پیمبر ہے۔

کس نے پھر چھیڑ دیا قصۂ لیلائے حجاز
دل کے پردوں میں مچلتی ہے تمنّائے حجاز
(اختر شیرانی)

محمد کا جہاں پر آستاں ہے
زمیں کا اُتنا ٹکڑا آسماں ہے
(استاد امام دین گجراتی)

جنّت ہے تو کیوں بوئے مدینہ نہیں اس میں
اس کو مرے آگے سے ہٹا، اور ہی کچھ ہے
(رفیع الدین راز)

فیضان ہمارے لیے سب کچھ ہے مدینہ
ہم کو تو ہر اک چیز مدینے سے ملی ہے
(فیض رسول فیضان)

شہرِ طیبہ کے درو بام سے باندھے ہوئے رکھ
میں ہوں جیسا مجھے اِس نام سے باندھے ہوئے رکھ
(قمر رضا شہزاد)

مدینہ کہنے کے ایک شہر کا نام ہے لیکن یہ ایک عام سا شہر نہیں ہے۔ یہ امام الانبیاؐ، سید ثقلین، سردارِ دو جہاں، نورِ ازل، رونق ابد، خیر الوریٰ، خیر البشر، محسن انسانیت کا مسکن ہے۔ اِس شہر سے ایک نئی تہذیب اور شائستہ تمدن کی بنیاد ڈالی گئی۔ اِس شہر کو تہذیب کا مرکز اور استعارہ بنا دیا گیا۔ یہاں اللہ کے حبیب نے انسانیت کو تاریخِ عالم کا عظم ترین منشور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر باشعور اور درد دل رکھنے والا مسلمان ہر طرح کے حالات میں سرزمینِ حجاز کی طرف دیکھتا ہے۔ وہاں سے راہنمائی حاصل کرنے کی توقع کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اِس منشورِ حیات میں اپنی اور قوم کی زندگی کے مسائل اور دکھ درد کا حل تلاش کرنا چاہتا ہے جو اُسے اس عہد کے آشوب میں درپیش ہیں۔ یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ ہمارا عظیم فلسفی اور وسیع المشرب شاعر بھی بلا وجہ تو خاکِ مدینہ و نجف کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کی بات نہیں کرتا۔ ہم جانتے ہیں کہ اقبال کی تیسرے دور کی شاعری کا آغاز اُس وقت ہوا جب ۱۹۰۸ء میں وہ یورپی فلسفوں سے استفادہ کر کے واپس آ چکے تھے اور اُن کی خالص قومی و ملی شاعری کی ابتدا ہوئی تھی۔ اقبال کا شعر ملاحظہ فرمایئے:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

(علامہ اقبال)

تہذیب نے پہنی ہے پوشاک یہاں آ کر
سیکھے ہیں تمدن نے اطوار مدینے سے

(نصرت بخاری)

مسکینہ ہے، رحمت کا خزینہ ہے
یہی نہیں کہ فقط جان و تن مدینہ ہے

(عارف سیمابی)

مرا شعور، مرا علم و فن مدینہ ہے
محبوبہ ہے، طابہ ہے، مکینہ ہے مدینہ

(محمد شفیع صابر)

میں خوش نصیبی سے پہنچا اگر مدینے میں
ہمیشہ رکھوں گا نیچی نظر مدینے میں

(غلام جیلانی)

جب سے ہوا وہ گُل، چمن آرائے مدینہ
جبریلؑ بنا بلبلِ شیدائے مدینہ

(غلام امام شہید)

اسی بحر میں داغ دہلوی کے داماد اور شاگرد نواب سائل دہلوی کی نعت کا مطلع ملاحظہ کیجیے

کب تک رہے سینے میں تمنّائے مدینہ
کب تک دلِ بیتاب کہے ہائے مدینہ

مدینہ کا مضمون نعت گوئی میں لازمی فکر و خیال بن چکا ہے۔ امیر مینائی کے شاگردِ رشید ریاض خیر آبادی کے نعتیہ کلام کا رنگ اُن کے عمومی کلام سے بالکل مختلف ہے۔ اُن کی نعت کے چھ اشعار میں تین بار مدینہ کا قافیہ استعمال ہوا ہے۔

نام کے نقش سے روشن یہ نگینہ ہو جائے
کعبۂ دل مرے اللہ، مدینہ ہو جائے
اُس کی تقدیر جو پامال ہو تیرے در پر
اُس کی تقدیر کہ جو خاکِ مدینہ ہو جائے

جان کی طرح تمنّا ہے یہی دل میں ریاض
مروں کعبہ میں تو منہ سوئے مدینہ ہو جائے

ہم نعت گوشعرا کے معیارِ کلام پر بات کر سکتے ہیں ۔تمام نعت گوؤں کے ہاں اسلوبیاتی سطح، تشبیہ و استعارے کا استعمال، لفظی صنعتوں وغیرہ کے حوالے سے شعری رو یہ ایک سا نہیں ہوتا۔اِس میں بہت کچھ کا انحصار نعت گو کی اپنی علمی سطح، اُس کے شعری اور لسانی مطالعے پر ہوتا ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ کسی شاعر کے ہاں انوکھے استعارے اور رلا جواب ترکیبیں ہوں نہ ہوں، لفظیات کے جدت اور اسلوبِ بیاں کی خوبیاں ہوں نہ ہوں مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ثنائے حبیب اللہ کے راستے کا مسافر ہے مگر اُس کے بے قرار دل میں طیبہ کی سرزمیں آباد نہ ہو۔ ہر دور میں مدینہ ہماری نعتیہ شاعری کا عظیم ترین موضوع رہا ہے۔ ہمیشہ سے اہلِ ایمان کی محبتوں کا مرکز رہا، یہ کہیں سرزمینِ حجاز، کہیں طیبہ، کہیں دیارِ رسول ﷺ کی صورت میں نعت گوشعرا کے دل کی بستی میں آباد رہتا ہے۔

پڑھ لو کہ ہر اک چہرۂ زائر پہ ہے لکھا
اس خاک کے چھونے کا مزہ اور ہی کچھ ہے
(رفیع الدین راز)

بہت علیل تھا پائی دوا مدینے میں
حیات بخش ہے خاکِ شفا مدینے میں
(تلک راج پارس)

کرتا ہوں زخم خاکِ مدینہ سے مندمل
تنہا نہیں میں اِس میں زمانہ شریک ہے
کچھ لکھ رہا ہوں خاکِ مدینہ کو گھول کر
اِس میں یہ خاکسار اکیلا شریک ہے

(صفدر صدیق رضی)

نجم الاصغر شاہیا ایک بے حد عمدہ شاعر تھے۔ مجھے لڑکپن میں اُن کے ساتھ دو تین بار مشاعرے پڑھنے کا موقع ملا۔ طویل بحور کو بہت سنبھال کر عمدہ شعر کہتے تھے۔ مدینہ کے حوالے سے اُن کی ایک ہی فضا میں غزلیہ ہیئت کی نعت ملاحظہ کیجیے جس میں نبی جیؐ کی بستی سے بے پایاں محبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ پاکستان کے سرسبز میدانوں اور باغ بہاروں کو سرزمینِ حجاز کے ریگ زاروں پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ یقیناً۔ اُس دیس سے کسی کا مقابلہ نہیں کہ وہاں محبوبِ کردگار کا مسکن ہے۔ کاغان، کالام اور مری کی وادیاں ہمارے دیس کے خوب صورت ترین سیاحتی مقامات ہیں، ہمارے لیے قابلِ فخر ہیں، اصغر شاہیا اِن تمام مقامات کو حجاز کی داوی پر قربان کر دینا چاہتے ہیں۔ بجا ہے کہ روئے زمیں پر اور نہ ہی کونین میں کوئی ہستی اُس عظیم ہادی کا مقابلہ کر سکتی ہے جس کا وہ پیارا دیس ہے اور جو انہیں پیارا ہے وہ ہر مسلمان کے جان و دل سے عزیز ہے۔ نعت گو شجاع آباد اور ملتان کے پھل دار باغات کو وہاں کے نخلستانوں پر قربان کر دینا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان کے موج زن دریاؤں کو وہاں کی بے آب سرزمین پر فدا کر دینا چاہتا ہے۔ نعت گو مینارِ پاکستان کی عظمت کو گنبدِ خضر ر پر صدقے واری کرنے کو تیار ہے۔ وہ تاج محل کے معماروں اور ہُنر مندوں کے فن کو سبز گنبد کی شان، عظمت اور بڑائی پروار دینا چاہتا ہے، اِس لیے کہ اُس روضے کی خیر و برکت چاروں اور جاری ہے۔ نعت گو جذابت کی رو میں کچھ غلو، خود ستائی اور شاعرانہ تعلّی سے بھی کام لے گیا ہے۔ آخری شعر نے تمام غزلیہ ہیئت کی نعت کا حسن دھندلا دیا ہے۔ نعت گوئی میں جہاں عشق و محبت بنیادی عنصر ہے وہاں عجز و انکسار ازبس ضروری ہے کہ یہ شہِ مُرسلاں کی خدمتِ اقدس ہے جہاں بادشاہوں کو بھی گدائی پر فخر ہے اگر وہ درجہ بھی مل جائے۔ یہاں شاعرانہ نخوت کا کیا کام۔ کاش وہ یہ شعر نہ کہتے:

طیبہ کی اُس ریت پہ پھولوں کے مسکن قربان
اُس پہ مری سرسبز زمینوں کے دامن قربان

اُس وادی پہ کاغان اور کالام کا حُسن نثار
اُس پہ مری اور شنگریلا کے سُندر بَن قربان
اُس پہ شجاع آباد کے اور ملتان کے باغ فدا
اُس پہ چوآسیدن شاہ کے سارے چمن قربان
میرے وطن میں دریاوں اور نہروں کا اِک جال
اُس بے آب زمیں پر میرا سارا وطن قربان
اُس مینار کے گُن گائے مینارِ پاکستان
اُس گنبد پر تاج کے معماروں کا فن قربان
اُس روضے کی فیض رسانی دہر میں چاروں اور
اُس پر پورب، پچّھم، اُتّر اور دَکّھن قربان
نجم الاصغر آج یہ تُو نے کیسی نعت کہی
تجھ پر، سعدی و جامی کا اسلوبِ سخن قربان

مدینہ ردیف: ہر نعت گو کسی اور نعتیہ مضمون کو کلام میں باندھے یا نہ باندھے مگر محمدؐ کی ثنا گر کی منزل مدینہ ہی ٹھہرتی ہے۔کوئی دکھ درد کا مارا ہو یا مقدر کا سکندر سب کی منزل مدینہ ہے۔ جب وہ مدینہ کی تعریف بیان کرتا ہے تو مسرت میں خود کو ستاروں کا ہم سر محسوس کرنے لگتا ہے۔مدینہ کے حوالے سے اشعار میں عقیدت کا سمندر اُمڈ آنے کی وجہ یہ ہے کہ وہاں سرکار کا روضۂ اطہر عشاق کو اپنی جانب بلاتا رہتا ہے۔اور وہ مدینہ منورہ جسے وہ جنت چھوڑ کر اپنا مسکن بنانے کے آرزومند رہتے ہیں، اُس کی حُرمت، محبت اور تقدس ہر مسلم کے دل کا اثاثہ رہی ہے۔ راستے میں ہزار مصائب اور مشکلات کے ڈیرے کیوں نہ ہوں، زائرین راستے کے کانٹوں کو بھی لالہ وگل خیال کرتے ہیں۔کسی کی معراجِ حیات ہی طیبہ کی مسافت ہے،کوئی وہاں پیوندِ خاک ہونا چاہتا ہے،کوئی روزۂ پاک کو دیکھتے دیکھتے زندگی کی گھڑیاں بتادینا چاہتا ہے،کوئی دور

بیٹھامدینہ کی یادوں میں بیتاب و بے قرار ہے،کوئی دوری میں ہی اپنے تصورات میں حضوری تلاش کررہا ہے۔بے شک پیغمبرِ اسلام تاریخِ انسانی کی وہ ہستی ہیں کہ جن پر نظم ونثر میں سب سے زیادہ لکھا گیا ہےاور لکھا جا تا رہے گا۔اب تو نعت کا فکری کینوس ویسے بھی بہت وسیع ہو چکا ہے۔نعت کے سارے موضوعات میں سے اگر صرف ''مدینہ'' ہی پر کلام یکجا کیا جائے تو کتابوں کے دفتر لگ جائیں اوراُن میں سے بھی اگر ہم صرف ایسی نعوت کا انتخاب کریں جن میں ''مدینہ'' کوردیف کےطور پر برتا گیا ہےتوایسی سیکڑوں نعوت مل جائیں گی۔یہاں کچھ ایسی نعوت کے اشعار پیش کرنا مناسب ہوگا کہ جن میں ردیف ''مدینہ'' کا استعمال کیا گیا ہے:

یہی ہے آرزو کچھ اور دن بھی ٹھوکریں کھاؤں
رہ بطحا کا پتھر ہوں، مدینہ میری منزل ہے
(یعقوب پرواز)

ابھرنے کو ہیں سبز گنبد کے جلوے
ذرا صبر! اے بے قرارِ مدینہ
(نصیرالدین نصیر)

نبی ملے ہیں ملا ہے خدا مدینے میں
میں اپنے آپ سے آکر ملا مدینے میں
بہت علیل تھا پائی دوا مدینے میں
حیات بخش ہے خاکِ شفا مدینے میں
(تلک راج پارس)

یہاں سے خلد کی اِک رہ گزر مدینہ ہے
وہ خوش نصیب ہیں جن کا سفر مدینہ ہے
(اکرام اکرم)

مدینے کی مسافت میں ہوں سب سے پوچھتا جاتا
مدینہ آئے گا کب تک، مدینہ آئے گا کیسے؟
(یاور عظیم)

یہ ان کا گنبدِ خضرا، یہ جالیاں، یہ ستون
مری نگاہ میں پھر دفعتاً مدینہ ہے
(عارف سیمابی)

مندرجہ ذیل زمین میں کئی شعرا نے طرحی نعوت کہی ہیں:

اے روحِ مضطرب ! تری حسرت کی خیر ہو
"وہ دیکھ ! سامنے ہے مدینہ نبی کا شہر"
(مبشر حسین فیضی)

گزر ہو جائے میرا بھی اگر طیبہ کی گلیوں میں
تو ساری زندگی کر دوں بسر طیبہ کی گلیوں میں
(راشد بزمی)

رومیؔ ! رہِ طیبہ میں کروں نذر بتا کیا
ہیں میرے دل و جان تو قربانِ مدینہ
(رومانہ رومی)

ہمارے نعت گو کہتے ہیں کہ مدینہ کا تصور دل میں جاگزیں رہتا ہے تو خیالِ گردش دوراں پاس نہیں آتا۔ وہاں موجود رسولِ پاکؐ کا سبز گنبد ہماری آنکھوں کو بھاتا ہے لہٰذا ہماری نظروں میں کوئی اور رنگ کیا سمائے گا اور جو عشاق اذنِ حضوری کے منتظر ہیں اُن کے لیے انتظار قیامت کی گھڑی سے کم نہیں ہوتا، وہ ہر دم دعا بہ لب رہتے ہیں کہ یا الٰہی وہ پاک سرزمیں دکھا

دے۔انہیں اِس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ حضورؐ طلب کرتے ہیں، اذن عطا فرماتے ہیں تو حاضری ممکن ہوتی ہے۔عشاق دعا کرتے ہیں کہ جب تک زندگی ہے رخ سوئے کعبہ اور دل سوئے مدینہ رہے۔ ہماری فکر کا محور اور قلب ونظر کا مرکز مدینہ رہے۔وہ دعا کرتے ہیں کہ ہم جب چلیں اور کہیں بھی جانے لگیں تو کاش ہوا کا رخ مدینہ ہی کی طرف رہے اور اُسی سمت کشاں کشاں چلے جائیں۔

سچ ہے کہ جس طرح آسمان کی زینت مہ ونجوم سے ہے اسی طرح فرشِ زمیں کی آرائش اور حسن و جمال طیبہ کی وجہ سے ہے۔مدینے کی مثال طلوعِ مہر کی پہلی کرن سی ہے جو اندھیرے مٹا دیتی ہے۔مدینہ سے ابھرنے والے انسانیت کے عظیم منشور نے بھی جہالت اور ضلالت کی تاریکیاں ختم کردیں۔

یقین آئے گا قلب و نظر مدینہ ہے
تمہاری فکر کا محور اگر مدینہ ہے
مہ و نجوم ہیں جس طرح زینتِ افلاک
جبینِ فرش کا لعل و گہر مدینہ ہے
(اکرام اکرم)

جہاں سے دور ہوئیں ظلمتیں زمانے کی
طلوعِ مہر کی پہلی کرن مدینہ ہے
(عارف سیمابی)

اور کب تک میں اِس ارماں کو تڑپتا دیکھوں
کب وہ دن آئے گا، کب جا کے مدینہ دیکھوں
(انور فرہاد)

غارِ حرا

غارِ حرا کی اسلامی اور انسانی تاریخ میں جو اہمیت ہے اُس سے کسی طور انکار ممکن نہیں ۔ یہ وہ غار ہے جہاں حضرت جبریلؑ نبی جی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلے وحی لے کر نازل ہوئے تھے۔ اِس لیے بعد ازاں جو ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ اُس کا منشور اور دستور جو ظاہر ہے قرآنِ کریم کی صورت میں نازل اور مکمل ہوا اور اُس ریاست میں نافذ العمل ہوا، اُس کی بنیاد یہیں پڑی تھی۔ لہٰذا یہ کہنا مناسب ہے کہ جہاں مدینہ ایک علامت اور استعارہ ہے وہیں لفظ ''حرا'' بھی علم، تہذیب، منشور، دستور، روشنی، ترقی، انقلاب کی علامت ہے۔ ''حرا'' کی تلمیح ذہن میں آتے ہی ایک مکمل دستور، تہذیب اور اُس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ کی مسلسل کوشش اور جد و جہد ذہن میں آ جاتی ہے۔ یہ غار مکہ مکرمہ کے قریب واقع پہاڑ جبل نور میں واقع ہے یہ غار پہاڑ کی چوٹی پر نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے لیے ساٹھ ستر میٹر نیچے مغرب کی سمت جانا پڑتا ہے۔ نشیب میں اتر کر راستہ پھر بلندی کی طرف جاتا ہے جہاں غارحرا واقع ہے۔ غار پہاڑ کے اندر نہیں بلکہ اس کے پہلو میں تقریباً خیمے کی شکل میں اور ذرا باہر کو ہٹ کر ہے۔ غار کی لمبائی سوا دو میٹر ہے اور اس کی اونچائی آگے کو بتدریج کم ہوتی گئی ہے۔ غار کا رخ ایسا ہے کہ سارے دن میں سورج اندر نہیں جھانک سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چالیس سال کے ہوئے تو آپ چند روز کی خوراک ساتھ لے کر جبل نور پر آتے اور اس غار میں غور و فکر اور عبادت فرماتے تھے۔ یہیں ایک روز جبریل علیہ السلام نمودار ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلی وحی نازل کی جس کے ذریعے باری تعالیٰ نے آپ کو نبی آخر الزماں مبعوث کیا۔ ''حرا'' بھی ہماری نعتیہ شاعری کا اہم موضوع رہا ہے جس پر تقریباً سبھی نعت گوؤں نے لکھا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

جس کو چھوتے ہی نظر آئیں حرا کے جلوے

جانِ مضطر کی تگ و دو کو وہ حد مل جائے

(جوہر سعیدی)

نور جو غارِ حرا سے پھوٹا سارے جہاں میں پھیل گیا

آپ کا جلوہ سب کے لیے تھا، سب نے یہ جلوہ دیکھا

(جمیل ملک)

ساکنانِ عرش دیکھیں یہ کمالِ بندگی

منزلِ قوسین تک پہنچی حرا کی روشنی

(فہیم ردولوی)

اوّل اوّل جہاں اقراء کی صدا گونجی تھی

دیدہ و دل نے اسی غار کی خواہش کی ہے

(شبیر نازش)

حِرا میں آپ ﷺ سے، جبریل نے کہا ہو گا!

کہ کائنات کے اَسرَار، پیشِ خدمت ہیں

(احمد رضا راجا)

روضۂ خیرالبشر

سرزمینِ حجاز کی اہمیت مکہ اور مدینہ کی وجہ سے ہے جو کائنات میں ہر مسلمان کی لیے مقدس ترین مقامات ہیں۔ مکہ میں خانہ کعبہ ہے۔ مسلمانوں کے سجدوں کا مرکز ومحوراور مدینہ شریف میں اللہ کے رسولؐ، خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کا روضہ ہے۔ رخ اگر کعبہ کی طرف ہوتا ہےتو دل روضۂ شہ والا کی طرف رہتا۔طیبہ کا شہر اگر امر ہو گیا ہےتو اُس کا سبب بس یہ ہے کہ وہاں مقصودِ کائنات، شفیع المذنبین، محسنِ انسانیت، خیر البشر، خیر الامم، میر عرب وعجم، فخرِ

رسولاں کی آخری آرام گاہ ہے۔ ورنہ آپؐ کی ہجرت سے پہلے تو مدینہ کی صرف یہ اہمیت تھی کہ ایک زرعی شہر تھا۔ آپؐ کے وہاں تشریف لانے کے بعد مسلمانانِ عالم کی نگاہوں، امیدوں اور محبتوں کا مرکز بن گیا۔ ہمارے نعت گو جب مدینہ شریف دیارِ رسول ﷺ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں تو اُس کی وجہ رسول اللہ کا دربار ہے، سبز گنبد اور اُس کی سنہری جالیاں ہیں۔ اِس طرح حبِ دیارِ رسول ﷺ صرف شہرِ نبیؐ تک محدود نہیں رہتی بلکہ اُس میں مواجہ شریف، سبز گنبد، سنہری جالیوں، درِ اقدس، مسجدِ نبوی، صحنِ مسجد وغیرہ کا بھی خوب ذکر آتا ہے۔ عشاق کی آنکھیں وہاں ہرے گنبد کی تلاوت کرتی ہیں۔ جو وہاں پہنچ نہیں پاتے، اذنِ حضوری کو تڑپتے ہیں اُن کی آنکھیں تصورات میں روضے کا طواف کرتی رہتی ہیں اور درود وسلام بھیجتی ہیں اور وہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ حج ﷺ رشرفِ باریابی نصیب ہو تو دیدار کریں اور آنکھوں کی پیاس بجھائیں۔ علامہ اسد ملتانی نے روضے کو موضوع بنا کر خوب غزلیہ ہیئت کی نعت کہی ہے۔ اُن کی اہم تخلیقات میں تحفہ حرم ۱۹۵۴ء، مشارق، کلیاتِ اسد ملتانی شامل ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کی قیام گاہ سے اس کی عظمت وعزت پر چار چاند لگ گئے۔ اور اب روضہ خیر البشر کی وجہ سے یہ عزت وعظمت دائمی ہو کر رہ گئی ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی قبر ہائے مبارکہ بھی اسی روضے مبارک میں ہیں۔ جسے اسد ملتانی نے یوں بیان کیا ہے۔

اک جگہ پر دونوں محوِ استراحت ہی نہیں
گھر بھی ہے صدیق کا، حضرت کے گھر کے سامنے

مزید خیر البشر کو لے کر اسد ملتانی کا یہ کہنا کہ اک نیا منظر ہونا جیسے ظلمتِ شب میں نورِ سحر پھوٹنا اور صحن حرم میں بیٹھ کر گنبدِ خضرا کو نظروں کے سامنے رکھنا نہ صرف معنی خیز ہیں بلکہ والہانہ عقیدت کے مناظر بھی پیش کرتا ہے۔

ہیچ ہیں دونوں جہاں میری نظر کے سامنے
میں کھڑا ہوں روضہ خیر البشر کے سامنے

جھلملانے لگ گئیں روضے کی روشن جالیاں
اک نیا منظر ہے میری چشمِ نظر کے سامنے

اڑ گئی میری گناہوں کی سیاہی اڑ گئی
ظلمتِ شب جس طرح نورِ سحر کے سامنے

مانگتا ہوں جس قدر ملتا ہے کچھ اس سے سوا
ہر دعا شرمندہ رہتی ہے اثر کے سامنے

اک جگہ دونوں محوِ استراحت ہی نہیں
گھر بھی ہے صدیق کا حضرت کے گھر کے سامنے

تو نے کار آمد بنایا زندگی اور موت کو
مقصد ایسا رکھ دیا نوعِ بشر کے سامنے

میں اسد صحنِ حرم میں بیٹھتا ہوں اس جگہ
ہو جہاں سے گنبدِ خضرا نظر کے سامنے

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نعت گوئی کا اولین محرک مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت کا ذکر کرنا، آپ کی سیرت و شخصیت سے عوام کو روشناس کرانا، آپ کی پیروی وتقلید کی ترغیب دینا اور آپ پر درود وسلام بھیجنا کارِ ثواب اور ذریعۂ نجات ہے۔ جہاں تک روایتی نعتیہ شاعری کے موضوعات کا تعلق ہے ان میں آنحضرت کی حیات طیبہ اور سیرت کے توسط سے انسانی زندگی کے تمام اخلاقی، مذہبی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی مباحث بھی شامل کئے گئے ہیں۔

کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
اُس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

(احمد رضا خان)

ایسا کوئی محبوب نہ ہو گا نہ کہیں ہے
بیٹھا ہے چٹائی پہ مگر عرش نشیں ہے
(اعظم چشتی)

ایسی ہستی کہ جس سے متعلق ہر عہد کے انسانوں کو یقین ہو کہ اُن کے خالی ہاتھوں میں ارض و سما ہیں۔کل جہاں آپؐ کا ہے مگر سادہ جو کی روٹی آپؐ کی غذا ہے۔جس نے فرمایا کہ وہ شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا کہ جو پیٹ بھر کے کھانا کھالے مگر اُس کا ہم سایہ بھوکا سو جائے۔ جو خود فاقہ کش ہو مگر کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔اُس ہستی کے اخلاق و کردار، سادہ کوشی، فیضان، عفو درگزر کو موضوعِ سخن بننا ہی بننا تھا۔دنیا کے خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر کیے گئے مگر آپ نے فقر کو اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے پسند فرمایا۔نعت گوئی میں یہ موضوع بھی عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے حد مرغوب ہے کہ اِس ہی سے ایک انسان کی مثالی زندگی کا تصور ابھرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں فرمایا: {لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ} ''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔'' (القرآن سورۃ الاحزاب ۲۱)۔ یہ حقیقت ہے کہ عالم کی نجات کا ذریعہ آپؐ ہی کی سیرتِ اطہر ہے۔اگر دنیا کے دکھ تکالیف کا مداوا کرنا ہے تو آپؐ ہی کی ذاتِ اقدس، مصدرِ جود و سخا کی کردار و عمل سے استفادہ کرنا ہو گا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہر کا ورق ورق نوعِ بشر کے لیے منزل کی سمت درست رہنمائی کا درجہ رکھتا ہے۔ہادیٔ اعظم و برحق کی سیرت مفلسوں کی دولت اور ہر دل کی سکینت ہے۔

لے جائے گا منزل سے بہت دور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادے سے سوا ہے
(سیّد سلیمان ندوی)

یہ حسنِ خلق، یہ لطفِ نظر، یہ عفو، یہ بخشش
خراماں جس طرح کیفِ رواں تسنیم و کوثر کا
(صوفی تبسم)

اعزاز یہ سرکار کی سیرت کے لیے ہے
ہر دور میں انساں کی ہدایت کے لیے ہے
(حفیظ تائب)

تا حشر پڑھا جائے گا قران خدا کا
تا حشر سنی جائے گی گفتارِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(حزیں کاشمیری)

حدیث پاک سے روشن کرے وہ رستوں کو
بدلنی ہو جسے اپنی حیات کی صورت
(احمد زوہیب)

آپؐ نے زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ گھر سے مسجد تک، امن سے جنگ تک، سفر سے حضر تک، تجارت سے سخاوت تک، رشتہ داری سے ہمسائیگی تک، مہمانی سے میزبانی تک، بچپن سے شباب اور جوانی سے بڑھاپے تک، دعوت سے تبلیغ تک، درس وتدریس سے سپہ سالاری تک، دانش وحکمت سے رہبری تک، مشکلات و مصائب سے کامیابی و کامرانی تک کون سا مقام ہے جہاں نبی جیؐ نے انسان کے لیے رہنمائی کے چراغ روشن نہیں کیے۔ دنیا میں جتنے بھی عظیم انسان گزرے ہیں، ہر کوئی اپنے کسی خاص شعبے میں نام ور تھا لیکن اللہ کے حبیب بلا شبہ انسانِ کامل تھے۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ ہر آنے والے عہد کے لیے بھی اِسی طرح رہنما رہیں گے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ جس جس نبی نے آپؐ کی آمد کی بشارت دی اُس نے آپ کی سیرت طیبہ کو بھی بیان کیا۔ اُردو نعت گوئی کے ابتدائی دور

میں قصائد اور مثنویوں میں سراپا نگاری پر خاص توجہ دی جاتی تھی تو ہمارے عہد تک آتے آتے نعت نگاروں نے حضور کی سیرت کے خد و خال کو اپنے اپنے انداز میں واضح کرنا شروع کیا ہے۔جن مشاہیر نے اپنے نعتیہ کلام میں سیرتِ رسول ﷺ اور اسوۂ حسنہ کو زیادہ موضوعِ سخن بنایا ہے ،اُن میں حافظ لدھیانوی، عابد نظامی، اقبال نجمی، محشر رسول نگری، رفیع الدین راز، راز کاشمیری، حفیظ تائب، اثر صہبائی، میجر محمد عاشق، عبدالکریم ثمر، راجا رشید محمود، عبدالعزیز خالد کے نام اہم ہیں۔آپ نہ صرف معبودِ حقیقی کی پہچان کروانے اور تکمیلِ بندگی کے لیے دنیا میں تشریف لائے بلکہ بنیٔ ملہم انسانیت کی فلاح اور نوعِ بشر کو دوزخ کی آگ سے نجات دلائے کے لیے آئے۔آپ بارگاہِ ربی کا مجسم صحیفۂ حسن و جمال ہیں۔ دراصل آیاتِ ربانی کا منشور ہی یہی ہے کہ فلاحِ دین و دنیا کے لیے انسان محسنِ عالم کے نقشِ قدم پر چلیں۔آپ ایک عظیم مبلغ اور ہادیٔ برحق بن کر آئے۔ ہر ستم گر کو پیار محبت کا درس دیا، باہم جنگ وجدل میں مصروف،خون کے پیاسوں کو شیر وشکر کر دیا۔سرورِ دوراں ایک عامی سے لے کر شاہانِ عالم کے لیے معیارِ انسانیت اور نمونۂ عمل تھے۔قرانِ کریم ہی کو دیکھ لیا جائے تو بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ شہِ دیں کے مکارمِ اخلاق کیا تھے؟ وہ اجرا اور اجیر دونوں کے لیے صلح جوئی ،عدل و انصاف کے پیامی بن کر آئے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہر نقشِ قدم آپ ؐ کا ہے شمعِ ہدایت
تاریکی و ظلمات میں ہیں نورِ مبیں آپؐ
معیار ہے دنیا کے لیے اسوۂ حسنہ
سر نامۂ توحید کے ہیں نقشِ حسیں آپؐ
(عبدالکریم ثمر)

کلامِ پاک کے دیکھ تو کھول کر اوراق
ہیں جا بہ جا شہِ دیں کے مکارمِ اخلاق

(عابد نظامی)

دیباچۂ نجات ہے سنّت رسولؐ کی
سرمایہ حیات ہے حکمت رسولؐ کی
فرقانِ خیر و شر ہے نبوت رسولؐ کی
ہر چیز پر محیط ہے سیرت رسولؐ کی

(محشر رسول نگری)

قراں کی آیتوں میں سراپا ڈھلا ہوا
تمثیلِ بے مثال ہے کردارِ مصطفی ﷺ

(شورش کاشمیری)

سبق دیتا ہے ہم کو نقشِ اطہر اُس کی سیرت کا
عدالت کا، صداقت کا، امانت کا، سخاوت کا

(حافظ لدھیانوی)

سیرتِ پاکِ محمد جو رہے پیشِ نظر
روحِ تہذیبِ تمنائے ابد مل جائے
عام ہوجائے اگر فکرِ رسولِ عربی
قافلوں کو رہِ ہستی کے رسد مل جائے

(جوہر سعیدی)

بلاشبہ فصیح ترین کلام قرآنِ حکیم کا اور اُس کے بعد فصاحت و بلاغت میں رسول اللہ کے ارشادات کا مقام ہے۔رسولِ ہدا کی فصاحت کی وجوہات میں یہ بھی تھا کہ آپؐ بنو ہاشم میں پیدا ہوئے اور آپؐ کی تربیت بنو ہوازن میں ہوئی جو فصاحت و بلاغت میں مشہور تھے۔آپؐ کے ننھیال بنو زہرہ اور آپؐ کی زوجہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنو اسد سے تھیں۔ یہ تمام قبائل اپنی

زبان دانی میں یکتا تھے اور سب سے عظیم وجہ یہ تھی کہ اللہ کا کلام آپؐ پر وحی کی صورت میں حضرت جبریلؑ لے کر آتے تھے۔ اقبال عظیم نے کیا خوب کہا تھا ''نزولِ وحیٔ الٰہی ہے بات بات اُن کی''۔ ''الکتاب'' کی معجز بیانی نے بھی آپؐ کی قوتِ گویائی اور منطق میں برکت عطا کی تو آپؐ کے اقوال وجہِ فروغِ زندگی ہوئے۔ قولِ حق کو آپؐ ہی کی زبان اور لہجہ درکار تھا جو لوگوں کے دلوں میں اُتر جائے اور سحر آفرین ہو۔ آپؐ کی جنبشِ لب سے انسانوں کی تقدیریں بدل گئیں۔ آپؐ کے نطق و بیاں سے ذہنوں میں انقلاب برپا ہوگیا۔ آپؐ کی ذات شہرِ علم اور آپؐ کا نطق فردوس بیاں تھا۔ حکمت و دانش کے الفاظ آپؐ کے درِ اقدس پر دست بستہ کھڑے رہتے۔ آپؐ کے اقوال و اعمال پرتوِ ایماں اور ہر جنبشِ لب آیۂ قرآں تھی۔ یوں اُنہوں نے ذاتِ حق کی پہچان کرو کے، تاریک ذہنوں کو منور کر دیا۔ اختر حسین جعفری کی نظم ملاحظہ ہو:

تنک مزاجوں کی سلطنت میں
بتایا جس نے
سخن حد و دِ دعا میں کرنا
لباس نا آشنا رواجوں کی سلطنت میں سکھایا جس نے
نمو کی مشتاق بے ہنر خوئے شعلگی کو
طریقِ قطع و برید جامہ
حریمِ شمعِ صفات ہونا
مکاشفے میں، مباحثے میں، مباہلے میں
دلیلِ قاطع، دعائے فاتح، ثبوتِ آخر کو اپنے اوزان کی صداقت میں تولتا تھا
وہ نرم لہجے میں بولتا تھا

آپؐ کا لحن خلدِ معطر کی ہوائے جانفزا اور لحنِ ملکوتی کہ جیسے چمن اندر چمن کھل جائے۔ آپؐ کی صدائے سرمدی نغمۂ روحِ کونین۔ طائف کی وادی میں آپ کا صبر سبحان اللہ۔ پتھر

پھینکنے والے نادانوں کو بھی دعائیں دیں۔آپؐ بے شک شکلِ انسانی میں مجسم قرآن اور اللہ کے فرامین کی شرح وتفسیر تھے۔آپؐ کے عفوودرگزر اور رحم وکرم کا سمندر دیکھنا ہو تو فتح مکہ کی تاریخ پڑھ لیجیے کہ کیسے آپؐ نے ہند بنتِ عتبہ اور وحشی بن حرب کو بھی معاف فرمادیا۔

آقا کے اقوال کا جب سے رنگ چڑھا کرداروں پر
ہم نے تب سے دھار لگانا چھوڑ دیا تلواروں پر
(تلک راج پارس)

درِ مفلساں پہ سجا ہوا ہے چراغِ شب اُسی نام کا
کہ جہانِ تلخ میں جو شگفتہ مزاج ہیں، وہ سراجؐ ہیں
(ناصر ملک)

نبیؐ کی پاک سیرت تھی یہی اُن کا طریقہ تھا
کہ شبنم سے بجھایا ہر شرارہ لکھ دیا جائے
(اکرم کنجاہی)

اجتماعی آشوب/استغاثہ

ہر شاعر کی شخصیت کی طرح اُس کے فکر و فن کو بھی اُس کے عہد میں سانس لینا چاہیے۔شاعر اپنی قلبی کیفیات اور واردات ہی کو اپنے فکروفن میں نہیں ڈھالتا بلکہ اپنے دور میں گردوپیش رونما ہونے والے حالات وواقعات پر بھی گہری نظر رکھتا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ اُس کا فن اپنے دور کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔کسی شاعر کے کلام کا عصری حسیت سے عاری ہونا ایک بڑا سقم شمار کیا جاتا ہے۔تخلیق کار کو اپنی فکر پر دائرے نہیں رکھنے چاہئیں۔نعتیہ شاعری میں عصری حسیت کا شامل ہونا،اِس صنفِ ادب کے فکری کینوس کی منہاج اور معراج کا سبب بنتا ہے۔عہدِ حالی سے پہلے شاید ہمارے ہاں فنونِ لطیفہ میں اجتماعی احساسات اور مسائل کو

پیش کرنے کا چلن نہیں تھا مگر حالی نے نعت گوئی میں حضورؐ کی خدمت میں امت کا استغاثہ پیش کیا۔ حالی نے انفرادی احساسات کے ساتھ نعتیہ شاعری کے آفاق میں زندگی کی وسعتیں پیدا کی نعتیہ لے میں استغاثے کا آہنگ شامل کیا۔ اِس منفرد طرزِ احساس نے نعتیہ کلام میں جگہ بنائی اور شعراء کی یہ روش مابعد جدید عہد میں ہمارے دور تک بھی چلی آئی۔ زندگی کے ہر شعبے میں تنزلی اور پس ماندگی کے جان لیوا احساس اور کرب نے شعرا کو مجبور کیا کہ وہ استغاثے کی راہ اپنائیں۔

قومی وملی مسائل کو پیش کرنے کے جس رجحان کو حالؔی وشبلؔی نے نعتیہ شاعری میں اپنایا، مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری اور ماہر القادری نے اِسے مزید فروغ دیا۔ یہ طرزِ احساس وقت گزرنے کے ساتھ اور بھی پختہ ہوا کہ امتِ محمدیؐ مسائل کے گڑھے میں گرتی جارہی ہیں۔ اِس بھنور سے نکلنے کی کوئی قابلِ عمل صورت دکھائی نہیں دیتی۔ ہر دردمند باشعور انسان وہ شاعر ہو یا عام انسان، یہ دیکھ کر کے بڑے کرب میں ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
وہ دین ہوئی بزمِ جہاں جس سے چراغاں
اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
(حالؔی)

ہر طرف سے یورشِ الحاد ہے آقا حضور!
چشمِ رحمت امتِ عاصی و غافل کی طرف
(ذکی قریشی)

غزلیہ ہیئت کی ایک طویل نظم ''آشوبِ زندگی'' کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

ہیں بد نما جو تھے کبھی شہکار یا رسولؐ
خود دیکھ لیں یہ زیست کے رخسار یا رسولؐ

ہیں شاخ شاخ سوختہ وہ نخل بد نصیب
شاداب تھے کبھی مرے اشجار یارسولؐ

اِس بار ہیں شکستہ مرے بال و پر حضورؐ
اِس بار حادثے ہیں دل افگار یا رسولؐ

آشوب زندگی کا ہے اِس بار خوف ناک
اب ساتھ سر کے جائے گی دستار یا رسولؐ

(اکرم کنجاہی)

شفاعت

نعت گوئی، غزل یا افسانہ نہیں ہوئی۔ یہ کوئی بات سخن گسترانہ نہیں ہوتی۔ کسی عامیانہ سخن کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہاں آ کر قلم اپنی جبیں جھکا لیتا ہے۔ الفاظ دست بستہ ہو جاتے ہیں۔ فکر عجز و انکسار اور عقیدت و احترام کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے کہ یہ خیر الرسل کی مدحت کا معاملہ ہے۔ جو ہر ہر ثنا خوان کے لیے سعادت، برکت اور خیر و خوبی کا معاملہ ہی نہیں، توشۂ آخرت بھی ہے۔ یہ منبع ہے دائمی فیض اور کرم کا۔ یہ ولائے میر عرب و عجم، اطاعتِ شہِ دنیا و دیں، عشقِ محمدِ عربیؐ میں جذب و کیف کی کیفیات میں لکھی گئی نعت ہے۔ عندلیبانِ بوستانِ ثنائے مصطفیؐ چشمِ نم گداز دل کی تڑپ اور مضطرب افکار کے ساتھ جو نذرانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں، انہیں یقین ہوتا ہے کہ روزِ محشر اُن کی منزلیں آسان بنانے میں مدد کرے گا۔ اللہ کریم اور محبوبِ کردگار اُس کے صدقے میں خطاؤں اور معصیتوں سے چشم پوشی فرمائیں گے۔

ہمارے بہت سے مدح خوانوں نے اِس مضمون کا اعادہ کیا ہے کہ مدّاحِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں، نگاہِ لطف کا امید وار ہوں، مجھے روزِ محشر کا ڈر نہیں۔صرف حافظ لدھیانوی کے ہاں شفاعت کے موضوع پر چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

مل گئی حافظِ عاصی کو شفاعت کی نوید
حشر میں چاہیے کیا، سایۂ رحمت کے سوا
نبیؐ ہی کی شفاعت کام آئے گی محشر میں
وہی اک آسرا ہے روزِ محشر، بے سہاروں کا
سناتا ہے ہر اک زائر کو وہ مژدہ شفاعت کا
شفاعت کی جو خوش خبری ہے جنّت کی بشارت ہے
ہر اشک ہے امیدِ شفاعت لیے ہوئے
پیشِ حضورؐ یہ بھی صورت دعا کی ہے
حبیبِ کبریا تو، شافعِ روزِ جزا تو ہے
گنہ گارانِ امت کو ہے جس کا آسرا، تو ہے
ہمیں کیا آفتابِ حشر کی جاں سوز گرمی سے
ہمارے سر پہ جو ڈالے گا رحمت کی ردا، تو ہے

یہ اشعار صرف حافظ لدھیانویؒ کی نعوت سے ہیں۔اُنہوں نے شفاعت پر بہت لکھا ہے۔ایسے بے شمار اشعار اُن کے کلام میں ملتے ہیں۔یہ مضمون بہر حال احتیاط کا متقاضی ہے۔مذکورہ بالا پہلے شعر میں جس شفاعت کی نوید کی بات کی گئی ہے۔کیا وہ بشارت خیالی ہے؟ یا خواب میں ملی ہے؟ ویسے تو ہر نعت گو نے کہیں نہ کہیں شفاعت کا ذکر کیا ہے مگر بہت سے شعرا جن کے ہاں اِس موضوع پر زیادہ اشعار پڑھنے میں آتے ہیں اُن میں راسخ عرفانی، غلام رسول عدیم، حافظ مظہر الدین وغیرہ شامل ہیں۔شفاعت کے حوالے سے جو مضامین اکثر

پڑھنے میں آتے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں کہ مرسلِ مرسلاں میرے شافعِ محشر ہیں لہٰذا مجھے کس بات کا غم ہے؟ میرا ایقان اور ایمان ہے کہ محشر کی سختیوں میں محمد مصطفی ﷺ میری آن بچائیں گے۔ سرِحشر مجھے خورشیدِ محشر کا ڈر نہیں کہ میں سر پر محمد مصطفی ﷺ کا سایۂ رحمت لے کر آیا ہوں۔ ظاہر ہے قیامت ابھی رونما نہیں ہوئی لہٰذا یہ بھی خیالی مضمون باندھا گیا ہے۔ آپؐ کونین پناہ ہیں اِس لیے مجھ بندۂ عاصی کو شفاعت کے حوالے سے ناامیدی نہیں۔ اے شیخ! خواجۂ کونین میرے شفیعِ روزِ جزا ہیں، مجھے تر دامانی کا کیا خوف؟۔ اُن کے دامن سے دو جہاں کی نجات وابستہ ہے۔ میں کہتا ہوں روزِ حشر اُنکا اندازِ شفاعت ملاحظہ کرنا۔ وارثی شیدا کا ایک شعر ہے ''کرم اتنا ہوا مجھ پر شفیعِ روزِ جزا کا / کہ نکلا ہر ورق سادہ مرے عصیاں کے دفتر کا'' اب یہ مضمون بھی خیالی ہے اور ایک ایسے واقعہ سے متعلق ہے جو ابھی رونما نہیں ہوا۔ ایک شاعر کہتے ہیں کہ اب میرے مقدر میں آنحضرتؐ کی شفاعت ہے۔ میں انعامِ، حبیبِ دوسرا دیکھ رہا ہوں۔ نہ جانے شاعر کو اتنا پختہ یقین کیسے ہے؟ کچھ اور اہلِ قلم کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

اے شافعِ محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لیے ہے
(مولانا محمد علی جوہرؔ)

درِ رسول پہ ایسا کبھی نہیں دیکھا
کوئی سوال کرے اور وہ عطا نہ کرے
کہا خدا نے شفاعت کی بات محشر میں
مرا حبیب کرے کوئی دوسرا نہ کرے
(ادیب رائے پوری)

صد شکر کہ دامانِ رسالت ہے میسر
سرکار کی محشر میں شفاعت ہے میسر

(محبوب الٰہی عطا)

مجھے امید ہے سرور شفیعِ روزِ محشر پر
کہ وقتِ بے کسی آخر وہی حامی مرا ہو گا

(غلام سرور)

اب چند وہ اشعار ملاحظہ کیجیے جن میں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنے اعمال کے حوالے سے شرم ساری اور عجز کا اظہار کیا گیا ہے۔ تلک راج پارس نے خوبصورتی کے ساتھ شرط رکھ دی ہے کہ حضور کرم فرمائی کریں گے مگر امت کے بیداروں پر۔ رئیس باغی نے بھی التجائیہ لہجہ اختیار کیا اور درخواست کی ہے کہ نظر کرم فرمایئے گا۔ عتیق الرحمن صفی کے نعتیہ شعر نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ اُنہوں نے اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی کا اظہار کر دیا ہے کہ "جے ویکھیں میرے علاں ولے تے کجھ نئیں میرے پلے"۔ احمد رضا راجہ نے بھی کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے التجائیہ اسلوب ولہجہ اپنایا ہے:

ہم آپؐ کے غلام ہیں ہے فخر اس لئے
امت کی رکھیۓ حشر میں بھی لاج بادشاہ

(تلک راج پارس)

ایک چٹائی والا اپنا سب سے اچھا رہبر ہے
دنیا یہ محسوس کریگی دوزخ کے انگاروں پر
منہ مانگا انعام ملے گا محشر کے دن یہ سچ ہے
آقا رحمت فرمائیں گے امت کے بیداروں پر

(تلک راج پارس)

میں بھی ہوں طلب گارِ شفاعت سر محشر
آقا مری جانب بھی عنایت کی نظر ہو

(رئیس باغی)

کر دی اگر انھوں نے شفاعت تو ہو گی خیر
اچھے بُرے کو رب نے نتھارا تو میں گیا

(عتیق الرحمن صفی)

شفیعِ روزِ جزا، اِک نظر، شفاعت کی!
اے روزِ حشر کے مختار، پیشِ خدمت ہیں

(احمد رضا راجا)

معجزاتِ نبوی

خالقِ کائنات نے اپنے برگزیدہ انبیاؑ کو معجزات عطا کیے تھے۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ مردوں کو زندہ کر دیتے اور کوڑھیوں کو ٹھیک کر دیتے۔ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ کو یدِ بیضا کا معجزہ عطا کیا۔ ان معجزات کی تعداد کچھ بھی ہو، انبیا علیہم السلام سے معجزات برحق ہیں۔ ہمارے پیارے نبیؐ خاتم المرسلین کو بھی اللہ پاک نے بے شمار معجزات بخشے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات دس ہزار سے کم نہیں ہیں۔ ان میں سے سات ہزار سات سو قرآن مجید کے معجزات ہیں۔ ایک ہزار معجزات امام سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کیے ہیں۔ بہر حال آپؐ کا معراج پر تشریف لے جانا، شقِ صدر، شق القمر، رجعتِ شمس، ستونِ حنانہ کا گریہ۔ کلید کعبہ کے بارے میں پیش گوئی، معرکہ بدر میں فتح کی بشارت، حضرت علیؓ کے مصائب اور شہادت کی اطلاع، حضرت عمرؓ کا اسلام قبول کرنا اور مدینہ کی آب و ہوا کا معتدل بننا وغیرہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات ہیں۔ نعت گوؤں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مختلف معجزات کو اپنی نعت کا موضوع بنایا۔ انھوں نے اپنے اپنے اسلوب میں ان معجزات کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ یہ سب کچھ ان کے تخیل کی کارفرمائی نہیں بل کہ حقیقت کی بھرپور عکاسی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات کا ذکر ہماری نعت کا خوب صورت موضوع ہے۔

کیوں جنابِ بو ہُریرہ کیسا تھا وہ جامِ شیر
ایک ہی پیالے سے منہ ستر بشر کا بھر گیا
(احمد رضا خان بریلوی)

آپ کا ہر اک اشارہ کارگر ثابت ہوا
چاند شق کرنا کہ سورج کو اٹھانا ٹھیک ہے
(تلک راج پارس)

منافقوں کے نگر میں تری صداقت کو
حکم پا کر آپ کا سورج پھرا، الٹے قدم
چاند دو ٹکڑے ہوا پا کر اشارہ آپؐ کا
(جہانداد منظر القادری)

اس کو تسلیم کیا کرتے ہیں پتھر بھی عظیمؔ
سنگ ریزوں کو وہ چاہے تو زباں دیتا ہے
(یاور عظیم)

جنت سے وہ لا سکتے ہیں انگور کے خوشے
دستِ شہ کونین کو قدرت ہے میسر
شق چاند ہوا پاتے ہی انگلی کا اشارہ
عالم میں ہوئی کس کو یہ طاقت ہے میسر
(محبوب الٰہی عطا)

معراج

دے مالکِ کونین جو بینائی کو وسعت

جاتا ہوا رہوارِ نبیؐ سوئے فلک دیکھ

(منیر صابری کنجاہی)

قرآنِ حکیم میں کئی مقامات پر کہیں واضح، کہیں مفصلاً اور کہیں اشارۃً واقعہ معراج کا ذکر موجود ہے۔سورہ النجم کی پہلی ۱۸ آیات میں اِس واقعہ کا ذکر ہے۔سورہ بنی اسرائیل میں ہے (آیت نمبر ۱): ''پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی۔ہم نے اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے''

یہ وہی معجزہ ہے کہ جس کا سنا تو کفّار نے مذاق اڑایا اور بھاگتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ تمہارا دوست اِس طرح کا دعوی کر رہا ہے۔اِس پر اُنہوں نے واقعہ کی تصدیق کی اور ''صدیقِ اکبر'' کہلائے۔''معراج نامے'' بھی اُردو زبان میں نعت گوئی کی ابتدائی شکل ہیں۔ملا نصرتی اور احمد رضا خاں بریلوی (مثنوی بیانِ معراج) اِس سلسلے میں شہرت رکھتے ہیں۔احمد رضا خان بریلویؒ کا شعر ملاحظہ ہو:

معراج کی رتیا دھوم یہ تھی اِک راج دُلارا آوت ہے
لولاک کا سہرا سر سوہے وہ احمد پیارا آوت ہے

لیکن افسوس کہ ہمارے شعرا نے قرآنی تعلیمات کے برعکس واقعہ معراج کے بیان میں ایسی ایسی باتیں رقم کیں جو یقیناً قابل گرفت ہیں۔اِس سلسلے میں داد،شہرت اور پیسے کے طالب کچھ نعت خوانوں نے بھی موضوعاتِ نعت کے تقدس کو پامال کیا ہے۔ کچے پکے شعر کہنے اور انہیں دنوں میں مقبولِ عام بنانے کی دھن میں مگن تک بندی کرنے والوں نے ان موضوعات کو تواتر سے اپنا کلام کا حصہ بنایا ہے۔قرآن پاک میں سفرِ معراج کی غرض و غایت بیان کر دی گئی ہے۔آپؐ کے معراج پر تشریف لے جانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اللہ کریم نے پیارے نبی جی پر کائنات کے سارے راز منکشف کر دیئے۔ ہمارت نعت گوؤں میں جنہوں

نے اِس واقعہ کو اپنی نعوت کا زیادہ موضوع بنایا ہے اُن میں حفیظ ہوشیارپوری، ماہرالقادری، مظفر وارثی، تابش صمدانی، قمریزدانی، روش صدیقی، نذر صابری، ظفر علی خان، محشر رسول نگری، عبدالعزیز خالد اور مظفروارثی شامل ہیں:

مل گئی دونوں جہانوں کے خزانوں کی کلید
اپنی معراج کو پہنچا ہے بشر آج کی رات
(ظفرعلی خان)

اے سبک سیرِ جادۂ اسریٰ
روک دی تم نے وقت کی رفتار
(حفیظ ہوشیار پوری)

آقا تو پل بھر میں جا کر عرشِ بریں سے لوٹ آئے
لوگ کمندیں ڈال رہے ہیں اب تک چاند ستاروں پر
(تلک راج پارس)

وہ راز اس سینے میں جامی پکار اٹھیں الم نشرح
وہ معراج ان کا تاج احسانؔ سبحان الذی اسریٰ
(ڈاکٹر احسان اکبر)

اُن پر خدا نے کھولا درِ چرخِ چنبری
دیکھی مہ و نجوم نے عظمت رسولؐ کی
(اکرم کنجاہی)

مظفر وارثی مرحوم نے واقعہ معراج بہت سے اشعار میں بیان کیا ہے۔اُن کی کئی غزلیہ ہیئت میں کہی گئی نعوت میں بھی تمام اشعار اسی موضوع پر ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپؐ کی رفتار وقت کی حدود و قیود سے باہر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ آپؐ معراج کے سفر پر چلے تو وقت کی رفتار تھم گئی

تھی۔ زمیں نے بلندیوں پر ایسے کمندیں اچھالیں کہ کہ بشر کی رسائی دیکھ کے فاصلوں کی جبیں خم ہوگئی۔ یہ رات تمام راتوں سے افضل کیوں نہ ہو کہ اندھیرے بھی ہاتھوں میں چراغ لے کر استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ اِس لیے کہ انہیں احساس تھا کہ کسی بھی نبیؑ کو پہلے یہ رتبہ نصیب نہیں ہوا۔ مظفر وارثی کے اشعار ملاحظہ ہوں:

پابندِ روز و شب نہ تھی معراجِ مصطفیٰ ﷺ
جب وہ چلے تو وقت کی رفتار تھم گئی
پرچم تھے نقشِ پا کے ستاروں کے ہاتھ میں
گزری جو کہکشاں سے سواری رسولؐ کی

آپؐ کے دیگر بے شمار معجزات میں سے ایک یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ؐ کا سایہ نہ تھا۔ اِس معجزے کو بھی نعت گو شعرا نے بڑی نقطہ آفرینیوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ روشنی کی تجسیم کیسے ہو؟ کسی نے کہا جس روشنی سے کفر و ضلالت کے اندھیرے کافور ہوئے، اُس اجالے میں آپؐ کا سایہ بھی شریک تھا، قلندر بخش جرات (م ۱۲۲۵ھ) نے کہا کہ آپؐ کی یکتائی کی یہ بھی اہم دلیل ہے کہ آپ ؐ کا سایہ نہ تھا اور احمد ندیم قاسمی کا شعر تو اِس سلسلے میں شاید سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ دو تین نعتیہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

دلیل اُس کی ہے یکتائی کی یہ لاریب اے جرأت
کہ تھا سایہ نہ اُس محبوبِ ذاتِ کبریا کا
(شیخ قلندر بخش جرات)

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں یہ کہتا ہوں کہ عالم پہ ہے سایہ تیرا
(احمد ندیم قاسمی)

ایک ہی شخص تھا دُنیا میں الگ بے سایہ

روشنی اب کبھی تجسیم نہیں ہوسکتی
(منیر سیفی)

جس روشنی سے تیرگی کے سائے چھٹ گئے
اُس روشنی میں آپؐ کا سایہ شریک ہے
(صفدر صدیق رضی)

نعت میں ذکرِ صحابہؓ واہلِ بیت اطہارؓ

نعت گوئی کے موضوعات میں بہت گونا گونی ہے۔اِس میں کئی ایک نعت نگار اہلِ بیت اطہارؓ اور صحابہ کرامؓ کا بھی خوب ذکر کرتے ہیں۔اپنی گزارشات آقا کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے اور دعا کی رسائی کے لیے اہلِ بیت کا واسطہ دینا اُن کا صدقہ مانگنا حسنین کریمین، سیدہ فاطمۃ الزھراؓ کی وساطت اور علی المرتضیٰؓ کے حوالے سے بات کرنا بھی نعت گوئی کا حصہ ہے۔ویسے تو صحابی اُس خوش بخت انسان کو کہتے ہیں جس نے زندگی میں ایک بار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایمان کی حالت میں دیکھا ہو۔ویسے عظمت ورفعت، دین کی خدمت، اخلاص، امانت، دیانت، عمل میں، ظاہر اور باطن میں جتنے اعلیٰ انسانی اوصاف وکمالات کسی صحابی کے ہوتے ہیں، ہم کسی غیر صحابی کا اُن کے موازنہ نہیں کر سکتے۔ہم جانتے ہیں کہ ہر وہ شعر جس میں پاک نبی جیؐ یا اُن کی کسی نسبت کی بات کی جائے گی، وہ نعتیہ شعر شمار ہوتا ہے۔لہٰذا ناعت اکثر اپنے کلام میں اہلِ بیت اطہارؓ اور اصحاب پاکؓ کا بھی محبت اور عقیدت سے ذکر کرتے ہیں۔اُن کی سرافرازی کی بات کرتے ہیں۔باغِ نبیؐ کے پھولوں سی مہکار کسی چمن زار کے پھولوں میں نہیں ہے۔بزمِ شوریٰ جن سے روشن ورخشاں تھی وہ سب شہابوں کی طرح تھے اور وہ غلامانِ نبیؐ سارے زمانے میں ممتاز اور ہدایت کے چراغ وستارے تھے۔

محبت اہلِ بیتِ مصطفیٰ کی نورِ برحق ہے

کہ روشن ہو گیا دل مثلِ قندیلِ حرم میرا

دکھائی مجھ کو راہ شرع اصحابِ پیمبرؐ نے

چراغِ راہ ہے اکرامِ اصحابِ کرم میرا

(شیخ ابراہیم ذوق)

راجا رشید محمود کا کہنا ہے کہ اصحابِ نبیؐ کے مناقب بیان کرنا بھی نعت نبیؐ میں شمار ہوتا ہے۔

اصحابِ مصطفیٰؐ کے مناقب لکھا کرو

مدحِ نبیؐ کا ہے یہ قرینہ خدا گواہ

(راجا رشید محمود)

بوجہل کا انکار اُس کی بدبختی اور ابوبکرؓ کا اقرار اُن کی خوش نصیبی کہ ہمیشہ کے لیے صدیقِ اکبر بن کر تاریخ میں امر ہو گئے۔ پھر غاروں مزاروں میں ساتھ ساتھ۔ کوئی دعائے رسول اللہؐ بن کر معتبر ہوا۔ کسی نے سخاوت و فیاضی میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا اور ذوالنورین ہوا۔ کوئی صاحبِ سیف وقلم بنا، فاتح خیبر کہلایا۔ کوئی سیف اللہ قرار پایا اور کچھ عشرہ مبشرہ ہوئے۔ سبحان اللہ حضورؐ کے جان نثاروں کے کیا اعلیٰ مقامات تھے۔ وہ اصحاب حق کے پروانے تھے۔ اسلام نے پکارا تو سب کچھ نچھاور کر دیا۔ جب رسول اللہؐ نے پوچھا کہ اہلِ خانہ کے لیے بھی کچھ رکھا؟ تو عرض کی! اللہ اور اُس کا رسولؐ کافی ہے۔ علامہ اقبالؒ کا شعر ملاحظہ کیجئے:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس!

صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس!

ذکرِ حبیبِ خداوند ہوگا تو عمارؓ و انسؓ اور عدیؓ و ضرارؓ کا ذکر بھی ہوتا رہے گا۔ خاص طور پر پہلے چار خلفائے راشدین، حسنین کریمین، حضرت فاطمہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نعوت میں ذکر رہتا ہے۔ جن شعرا نے مذکورہ بالا نسبتوں پر نعتیہ اشعار لکھے اُن اقبال سہیل اعظم گڑھی

نے اپنی نعتیہ غزلیات میں بیشتر نام وراصحاب کا ذکر کیا ہے۔ عابد نظامی، راجا رشید محمود، اثر صہبائی، حافظ لدھیانوی، مظفر وارثی، خمار انصاری، عبدالکریم ثمر، ساحر صدیقی، سیف زلفی، حافظ مظہر الدین کے کلام میں بھی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ بیت اطہارؓ کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ الغرض مدینہ رشد و ہدایت کا چمن زار ہے اور محبوبِ حق کا جو بھی ساتھی ہے وہ گلِ بوستانِ طیبہ ہے:

اپنائیں ہم بھی بو ذرؓ و سلمانؓ کا چلن
توفیق دے خدائے دو عالم ہمیں اگر
(راجا رشید محمود)

بلالؓ و حنظلہؓ کے عشق کی بھی داستاں سن لیں
وہ دیوانے جو قیس و کوہکن کو یاد کرتے ہیں
(حافظ مظہر الدین)

آقا ؐ مجھے بھی دیجیے صدقہ حسین ؓ کا
کب تک رہوں گا دنیا کا محتاج بادشاہ
(تلک راج پارس)

سب ہی تن پاک ہیں آقاؐ کے گھرانے والے
یادِ حسنین کو سینے سے لگا رکھا ہے
(معصوم صابری)

صدیقؓ ترے ساتھ ہوا ثانیٔ اثنین
اے اوّلِ اثنین، تری شان الگ ہے
(اخلاق عاطف)

دیکھیے صدیقؓ و فاروقؓ و علیؓ ، عثمانؓ کو

باغِ دیں میں طوبیٰ سے بالا ، نہال مصطفیٰؐ

(سجاد مرزا)

درود و سلام

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اُن کی شان وعظمت کا
خدائے پاک کا جن پر درود آیا سلام آیا

(افضل الفت)

کانوں میں گونجتی ہیں صدائیں درود کی
یعنی کہ آج پھر کوئی امکانِ نعت ہے !

(نسیم سحر)

درود و سلام بھی نعت کی ایک اہم شکل ہے جو دینی محافل میں بہت اہم ہوتا ہے۔ یہ محافل مردوں کی ہوں یا خواتین کی بڑے اخلاص، سوز اور گداز کے ساتھ اللہ کے حبیب پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ آج بھی خاص طور پر نمازِ جمعہ کے بعد آقائے نام دار پر اجتماعی سلام بھیجا جاتا ہے۔ بعض سلام خاص طور پر امام احمد رضا خاں بریلوی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری اور بیدم وارثی کے لکھے ہوئے سلام تاریخِ نعت گوئی میں بڑی اہمیت کے حامل اور آج بھی مقبول عام کی سند رکھتے ہیں۔ حافظ لدھیانوی، پروفیسر اکرم رضا، عابد نظامی، ریاض حسین چودھری، مظفر وارثی، احسان دانش اور دیگر کئی نعت گوؤں نے بہترین اسلوب میں درود و سلام پیش کیا ہے۔ سلام میں عمومی طور پر رسول اللہ کے شخصی اوصاف اور کرم گستریوں کا احسن انداز میں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دکھ درد اور کرب میں مبتلا مسلم امت کے تطہیرِ جذبات کا ذریعہ اور باعثِ برکت و سعادت ہے۔ درود و سلام سے مُردہ دلوں میں زندگی کی رمق پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ رنگِ ثنا کی ایسی خوشبو ہے جس کی مہکار محفل محفل محسوس کی جاتی ہے۔ یہ حسنِ عقیدت کا ایسا انداز ہے

جو مسلمانوں پر لطف و عنایت کے در کھولتا ہے۔ روحوں کی سرشاری کا یہ وِردازل کے روز سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ درود و سلام کی صورت میں جو حضورؐ کی مدحت ہے، اُس میں بڑا گداز اور سوز ہے۔ اُس میں بڑی تڑپ اور بیقراری ہوتی ہے۔ اِس میں دستگیرِ بے کساں اور ملجائے ناداراں کو یاد کر کے اُن کی خدمتِ اقدس میں سلاموں کا نذرانہ پیش کیا جاتا ہے۔ اِس لیے کہ یہ کام اللہ اور اُس کے فرشتے بھی کرتے ہیں۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

(احمد رضا خاں بریلوی)

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی

(حفیظ جالندھری)

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

(ماہر القادری)

ماہر القادری ہی کا ایک سلام ہے جس میں اُنہوں نے دل کش انداز میں سلام بھی پیش کیا ہے اور حبیبِ خدائے پاک کے معجزات کا ذکر بھی کیا ہے۔ تاریخِ اسلام بتاتی ہے کہ آپؐ کی مٹھی میں بند کنکروں نے کلمہ پڑھ کر آپؐ کی رسالت کی گواہی دی، آپؐ کی انگشتِ شہادت کی اشارے سے چاند دولخت ہو گیا۔ آپؐ کا اشارہ پا کر ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔ سبحان اللہ۔ بیدم وارثی کے دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

سلام اُس پر کہ جس کی چاند تاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس کی سنگ پاروں نے گواہی دی
سلام اُس پر کہ جس نے چاند کو دو ٹکڑے فرمایا
سلام اُس پر کہ جس کے حکم سے سورج پلٹ آیا
آئی نسیمِ کوئے محمدؐ، صلی اللہ علیہ وسلم
کھچنے لگا دل سوئے محمدؐ، صلی اللہ علیہ وسلم

فیض رسانی اور کرم گستری

ڈاکٹر عزیز احسن نے رفیع الدین ذکی قریشی پر لکھے گئے اپنے مضمون میں علامہ اقبال کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حیات النبی ہونے کا نظریہ صرف نظریہ نہیں بلکہ محسوساتی حقیقت ہے جسے ہر آدمی تو نہیں، تاہم بعض اہلِ نظر دیکھتے رہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے تو باقاعدہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا تھا:

''میرا عقیدہ ہے کہ نبیء کریمؐ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی ان کی صحبت سے اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہؓ ہوا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہو گا۔ اس واسطے خاموش رہتا ہوں''۔

حضورؐ نے کبھی امت کو فراموش نہیں کیا۔ امت کا غم اٹھایا، امت کی بخشش کے لیے غاروں اور پہاڑوں میں، جلوتوں اور خلوتوں میں بخشش کی دعائیں کیں۔ یاور عظیم کا شعر ہے:

کیا سہل تھا اُن صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غمِ امّت کا اُٹھانا؟
مجھ سے تو مری آنکھ کا نم اٹھ نہیں سکتا

آپ کی فیض رسانی کی انتہاؤں کا کیا پوچھنا کہ آپ کبھی امت کی خاطر غاروں میں گریہ و زاری کرتے کبھی دشمن کے واسطے بھی مصروفِ دعا نظر آتے۔ شعرا نے اپنے اپنے رنگ اور

ڈھنگ میں اُن کی کرم گستریوں کا ذکر کیا ہے۔حافظ لدھیانوی نے کہا کہ آپؐ کے تشریف لانے سے دستور حیا رمرتب ہوا قرآن کا مصحف کھل گیا۔احمد ندیم قاسمی نے تو آپ کے نقشِ کفِ پا کو دولت جانا،راسخ عرفانی نے کہا کہ خطۂ بطحا خیر البشر کی بعثت کے طفیل خطۂ بطحا میں موجِ صر صر کی جگہ نسیمِ چمن رواں دواں ہوگئی،اقبال کو یہ یقین کامل تھا کہ دہر میں اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کیا جاسکتا ہے اور یہی ''اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' جب منیر نیازی کے لبوں پر مچلا تو اُس نے کہا کہ ''میں جو اک برباد ہوں آباد رکھتا ہے مجھے/دیر تک اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاد رکھتا ہے مجھے''۔مظفر وارثی نے کہا کہ اتنی روشنی تو تاریخِ جہاں میں نہیں اک ایک لمحے میں جس قدر اجالا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دم سے ہوا،سیماب اکبر آبادی بادِ صبا سے ہم کلام ہوکر یہ نوید سناتے تھے کہ رحمتوں کی جو گھٹا مدینے سے اٹھی ہے وہ تمام عالم کی محرومی اور تشنگی دور کرنے والی ہے۔ماہر القادری کہا کرتے کہ فراست،دانش،علم وحکمت اور خردمندی صرف محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکتبِ عرفان سے ملتی ہے۔اسی واسطے پُرنم الہ آبادی استدعا کرتے کہ ''بھر دو جھولی مری یا محمد لوٹ کر میں نہ جاؤں گا خالی/کچھ نواسوں کا صدقہ عطا ہو در پہ آیا ہوں بن کر سوالی''۔

مصیبتیں ہیں تعاقب میں الاماں شہا !
حضور کہہ دیں ناں ! عاصی مری پناہ میں ہے
(عباس عدیم قریشی)

کوئی میں آہ کھینچوں درد سے لب ریز ہو شاہا !
ترے پیارے مدینے کے در و دیوار تک پہنچے
(اکرم کنجاہی)

بارِ غم سے میں پریشان رہا کرتا تھا
پھر ترا نام لیا،بوجھ اتارا دل کا
(احمد زُوہیب)

غموں ✕ میں آپ کا مانگوں سہارا یا رسول اللہ ﷺ

عطا ہو بحرِ عصیاں میں کنارا یا رسول اللہ ﷺ

میں ہوں اک آپ کی چشمِ کرم کا منتظر آقا

کرم اِس اُمّتی پر ہو خدارا یا رسول اللہ ﷺ

(خالق آرزو)

حضور ﷺ نے قلب ونظر کو وجدان اور شعور کی روشنی عطا کی۔معاشرت کو تہذیب آشنا کر کے، جہالت، کفر وشرک اور ظلم وستم کے اندھیرے دور کیے۔نتیجہ یہ نکلا کہ صحرائے عرب کے شتربان دنیا کے سلطان بن گئے۔بت پرستی کا عہد ختم ہوا۔ یزداں شناسی عام ہوئی۔اللہ کے حبیب نے انسان کو حق کی پہچان کروائی۔بت کدوں میں بھٹکتے ہوئے انسان اللہ کریم تک پہنچے، اُنہیں دائمی عرفان وعقل وشعور ملا۔ایک سجدے میں زندگی کا کیف وسرور سمٹ آیا۔فضائیں نغمۂ توحید سے جگمگا اٹھیں۔اذانِ صبح گاہی نے بت گری کا طلسم توڑ دیا۔

کس قدر احسان ہے اک امی لقب کا اے طفیل

آدمی کو درسِ تہذیب و ہنر اُس نے دیا

(طفیل ہوشیار پوری)

رخِ حیات پر تازگی آ گئی۔چراغِ دانش وحکمت گھروں میں روشن ورخشاں ہوئے۔ جہانِ خاک سے ابھرا ہوا انسان جو اپنی عظمت وتوقیر سے ناواقف تھا، شرفِ آدمیت اور عظمتِ انسانیت سے آگاہ ہوا۔انسانوں میں بھی رنگ ونسل کا تفوق ختم ہوا اور مساوات قائم ہوئی۔برتری کا معیار صرف تقویٰ قرار پا گیا۔آپؐ بے کسوں کا سہارا اور دردوغم کے ماروں کی امید بن کر آئے۔آپؐ کے لطف وعنایاتِ فراواں کے سبب، انسان کی فطرت میں مدحتِ آقا بھی شامل ہوئی۔آپ کے فیضانِ عظیم پر اُردو کے ہر نعت گو نے اشعار کہے مگر اِس موضوع پر جن اہلِ قلم کے ہاں کثیر نعتیہ سرمایہ ملتا ہے، اُن میں طفیل ہوشیار پوری، محسن احسان، خالد

بزمی، حافظ محمد افضل فقیر، غلام رسول عدیم، عارف عبدالمتین، جعفر بلوچ، حفیظ تائب، افضل طور ، یاض حسین چودھری، حافظ لدھیانوی، حافظ مظہر الدین، ماہر القادری، انوار ظہوری، مظفر وارثی، تابش صمدانی، عابد نظامی، راز کاشمیری، سراج الدین ظفر، حفیظ تائب، میجر محمد عاشق، اثر صہبائی، عاصم گیلانی شامل ہیں:

عاصم بساطِ گُل ہے مرا دامنِ نگاہ
یہ فیض لے کے آیا ہوں بیت الحرام سے
(عاصم گیلانی)

ترے وسیلے سے مانگیں خدا سے رو رو کر
دعا قبول ہو سجدے سے سر اٹھے جس وقت
(ریاض مجید)

تنگ دامانی پہ شرمندہ ہوں اپنی ہی صبیح
دین میں اُن کی کہاں ورنہ کمی کا موسم
(سیّد صبیح رحمانی)

جود و عطا میں ابرِ بہاراں کو تجھ پہ ناز
لطف و کرم میں کوئی مقابل نہیں ترا
(میجر محمد عاشق)

پیر زادہ قاسم کی ایک نعت ملاحظہ فرمائیں کہ کس کس ڈھنگ سے وہ رسول اللہ کے کرم فرمائیوں کا ذکر کررہے ہیں کہ جہاں کے خرابے میں جب کہیں ؒ قلبی و ذہنی سکون نہیں ملتا تو وہ نعت کے دامن میں سکون تلاش کرتے ہیں۔اُن کا کہنا ہے کہ دنیا میں روشنی پھیلی ہے اور باطل کی تاریکیاں چھٹ گئی ہیں تو اُس کا سبب صرف آپؐ کی ذات شہ والا ہے۔آپؐ کی کشادہ دلی کا کیا کہنا کہ دوست دشمن کو آپؐ کے دامنِ شفقت میں پناہ ملی۔لوگوں نے قلب و ذہن کا شعور

پایا۔ اللہ عزوجل کی رحمتیں برسیں ۔امن ومحبت اورو فاوخلوص کے چرچے عام ہوئے۔انسانیت نے عروج حاصل کیا۔دعاؤں نے قبولیت کا درجہ پایا۔پیرزادہ قاسم نے حضور ﷺ کی فیض یابی کے تمام انعام واکرام کو نعتِ نبی ﷺ میں بیان کردیا۔لب ولہجہ میں سادگی اور قطعیت ہے۔جس میں صرف حضور ﷺ کے لب ورخسار اور زلف وچہرہ کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں۔ان کی نعتیہ شاعری آپ کی زندگی کا حقیقی چہرہ عیاں کرتی ہے۔

سکوں ملا ہے بھلا کب کسی کے دامن میں
سو آ بسا ہوں نعتِ نبی کے دامن میں
اجالا آپ ہی کی ذات سے ہوا ورنہ
شعاعِ نور نہ تھی روشنی کے دامن میں
کشادہ قلبی رحمت مآب کیا کہنا
پناہ سب کو ملی آپ ہی کے دامن میں
صحیح کہ فیض رسانی میں کوئی ان سا نہیں
بجا کہ رحمتِ حق ہے ان ہی کے دامن میں
شعورِ حق کی عجب روشنی ملی ان سے
وہ آگہی کہ نہ تھی آگہی کے دامن میں
وہ صلح کل ہیں ہر اک صلح ان کا نقشِ قدم
انہی کے پھول ہیں سب آشتی کے دامن میں
عروجِ آدم خاکی انہی کے فیض سے ہے
انہی کا حرفِ دعا زندگی کے دامن میں
جز ایک اشکِ ندامت جز ایک حرفِ دعا
نہیں ہے کچھ مری تر دامنی کے دامن میں

حسن و جمال کے تذکرے، سراپا نگاری

آپؐ کے حسن و جمال کو لکھا ہی نہیں جا سکتا۔ آپؐ کے فروغِ جمال کی تابشیں ہیں کہ جن سے بزمِ عالم اور عناصرِ قدرت جگمگا رہے ہیں۔ جلوۂ شب اگر آپؐ کے گیسو کے باعث ہے تو خورشید سحر کی تابانی آپؐ کے روشن جبیں سے ہے۔ آپؐ کے کفِ پا کے برکت سے خاک طیبہ اگر اکسیر ہے تو آپؐ کے بوئے پیرہن سے بوستانوں کی مہک قائم ہے۔ جمالِ مصطفیؐ کے سرمدی انوار سے اُفقِ زیست نور فشاں ہے۔ قتیل شفائی کا شعر ملاحظہ ہو:

لکھے جو مدح تری زلف خم بہ خم کے لیے
سمندروں کی ضرورت ہے اُس قلم کے لیے

اُس پیکرِ جمال کی تعریف ہم کیا کریں کہ جس ماہِ تمام کا قران عکس ہے۔ جن کا خطِ جبیں قران کی تفسیر ہے۔ ایسے ذی شان اور حسیں کی کوئی نظیر کوئی مثال ہو نہیں سکتی۔ آپؐ کے تبسم کا حسن تاروں کی جگمگ میں اور آپؐ کے جسم اطہر کی مہکار ہر گل تر میں ہے۔ آپؐ کے عارضِ تاباں، صبح بہاراں کا فروغ۔ آپؐ کا اشارۂ ابرو مدِ موجِ طرب اور نگاہِ کرم ہر بیمار کا مرہم۔ آپؐ سراپا انوار ہیں۔ عالمِ سوت ہو یا عالم لاہوت، ہر جگہ آپؐ کے جمال کی برق ہر جگہ کوندی ہے۔ ماہِ عرب آپؐ کا نور دافعِ ظلمات ہے۔ اُردو کی ابتدائی نعتیہ شاعری میں سراپا نگاری اور آقا کے حسن و جمال کا بیاں بہت اہم موضوع ہوا کرتا تھا۔ حضورؐ کی سیرت اور اخلاقِ حسنہ سے بھی پہلے یہ موضوع نعت گوئی کا حصہ بنا تھا۔ آپؐ کے گیسوئے عنبر فشاں، عارض و لب، چشم و ابرو، جبینِ اقدس اور خال و خد کا بیان بھی بہت پُر تاثیر ہوتا ہے، کائنات کے حسین مظاہر کے ساتھ مشابہت دی جاتی تھی مگر اب اِس سے زیادہ سیرت و کردار اور حضور کے اوصافِ حمیدہ پر بات کی جاتی ہے۔ دنیائے رنگ و بو کی تمام بہاریں آپ ہی کے دم سے ہیں۔ کائنات اگر خوب صورت ہے تو آپؐ ہی سے ہے۔ آپ ﷺ کے جمال پر امام ترمذی کی

با قاعدہ کتاب ''شمائل ترمذی'' موجود ہے۔ اللہ عزوجل نے بھی آپ ﷺ کو کبھی یٰس، کبھی طٰہٰ، کبھی واللیل اور کبھی والضحیٰ کہہ کر آپ ﷺ کے جمال کو آشکار کیا ہے۔ سیّد محمد فراقی (م ۱۱۴۴ھ) نے جمالِ مصطفویؐ کی وجہ سے کیا خوب شعر کہا:

ارے مجنوں ہوا بدنام توں لیلیٰ کو دل دے کر
اگر میرے نبیؐ کو دل دیا ہوتا تو کیا ہوتا

واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا
والشّمس ترے رخِ پُر نور کی قسم
(بہادر شاہ ظفر)

والضحیٰ روئے منور ہے تو واللیل ہے زلف
ان کے فیضان سے ہیں صبح و مسا کے جلوے
(حفیظ تائب)

نازاں ہے جس پہ حُسن وہ حُسنِ رسول ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دھول ہے
(کوثر نیازی)

زمیں پر جو گُلہائے خندہ جبیں ہیں
بہارِ رُخِ مصطفےٰ کے امیں ہیں
(نصر اللہ شاہ ناصر)

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دُکانِ آئینہ ساز میں
(لطیف بدایونی)

حسن کی تشبیہ کے سب استعارے مسترد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سارے کے سارے مسترد

(سیّد عطاالمصطفیٰ)

والضحیٰ چہرے سے سورج کا اجالا ملا ہے

سب گلابوں میں پسینے کی مہک ملتی ہے

(حماد سرور)

نعلین مبارک

خیر البشر خیر الامم کے حسن و جمال کے قصائد اپنی جگہ، باعثِ تکوینِ کائنات کے مقامات بھی اپنی جگہ، غور فرمانے کا مقام ہے کہ اہلِ دل، آپؐ کی نسبتوں سے کس قدر پیار کرتے ہیں۔ آپؐ کے چشم ولب ورخسار اور جود وسخا پر لاکھوں اشعار کہے گئے۔ محبانِ حبیب کبریا کے تو نعلین مبارک پر بھی عشاق نے بے مثال نعوت کہی ہیں۔ اِس موضوع پر کئی اشعار تو نعتوں میں ملتے ہیں اور کئی نعتیں تو اوّل و آخر مکمل اِسی موضوع پر ہیں۔ رسول اللہ کے کفشِ پا کے حوالے سے نعت گوؤں نے اپنے اپنے رنگ میں مضمون آفرینی کی ہے اور زینتِ ازل اور رونقِ ابد کی خدمت میں نعتوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ کفش برادرانِ خاتم الانبیاؐ کو پتا ہی نہیں چلا کہ اُن پر بابِ جنت کب، کیسے اور کیوں کر کھل گیا۔ کسی نے کہا کہ نعلین پاک تو سدرۃ المنتہا سے بھی آگے چلے گئے کہ یہ جبریلِ امیں تو نہیں ہیں کہ اک مقام پر آ کر ٹھہر جائیں۔ کسی نے عرصۂ حشر میں آپؐ کے نعلین مبارک چھونے کی آرزو دل میں پالی ہوئی ہے تو کسی کی خواہش ہے کہ وہ خاک مل جائے جس نے آپؐ کے نعلین مبارک کو بوسے دیئے۔ تلک راج پارس نے نعلین کی ردیف میں مکمل نعت کہی اور کہا میرا ایمان ہے کہ نعلین پاک تو دنیا کے تمام شہنشاہوں کی بادشاہ ہے۔ کسی نے کہا کہ شاہوں کے تاج کو وہ رفعت کہاں نصیب جو آپؐ کے نعلین مبارک کو حاصل ہے۔ قمر تاج نے بھی نعلین کی ردیف میں ایک مکمل نعت کا نذرانہ پیش کیا اور کہا یا رسول اللہ آپؐ کی نعلین کا رتبہ تمام کائنات نے دیکھا کہ جس کے تلوؤں کے عرش

نے بوسے لیے۔اِس لیے میں جب آپؐ کے نعلین کا نقش دیکھتا ہوں تو قلب میں نرمی اور گداز محسوس کرتا ہوں۔میری خواہش ہے کہ حشر کے روز جب لوگ آپؐ کے دستِ مبارک کے بوسے لے رہے ہوں گے تو میں بڑھ کر آپ کے نعلین چوم لوں گا۔روزِ محشر جب سورج سوا نیزے پہ ہوتو یقین ہے آپؐ کے نعلین کا سایہ ایک نیزے پر ہو گا۔کاش میں آپؐ کے دور میں پیدا ہوا ہوتا تو یہ شرف پاتا کہ آپؐ کے نعلین کے تسمے اپنے ہاتھ سے باندھتا۔یہ نعت سیّد صبیح رحمانی نے نہایت سوز و گداز سے پڑھی اور مقبول ہوئی ہے۔معروف شاعر، ادیب اور ناشر شاعرعلی شاعر کے حمد یہ و نعتیہ کلیات میں بھی ایک نعت نعلین کی ردیف میں ہے۔جس میں وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضورؐ کے نعلین کے صدقے میں شہرت ملی ہے۔مزید لکھتے ہیں کہ یہ جو چمن زاروں میں رنگ و خوشبو کے میلے اور ہر دم مہکار ہے یہ سب نبی جیؐ کے صدقے میں ہے۔

کفش بردارانِ ختمی مرتبت کو کیا خبر
بابِ جنت کب کھلا ، کیسے کھلا ، کیونکر کھلا
(راغب مُرادآبادی)

سدرہ سے بھی آگے ہیں وسیم اسکی اُڑانیں
پاپوشِ محمد ہے یہ جبریل نہیں ہے
(وسیم عون)

عاطف کو یہ حسرت کہ سرِ عرصہ ٔ محشر
چھوئے ترے نعلین ، تری شان الگ ہے
(اخلاق عاطف)

اُن کے نعلین سے مس خاک کہاں ملتی ہے
بٹ رہی ہے تو مجھے اُس پہ لپک جانے دے
(حافظ محبوب احمد)

تاجِ سرِ شاہاں کے مقدر میں کہاں ہے
نعلینِ محمدؐ کو جو رفعت ہے میسر
(محبوب الٰہی عطا)

شمس و قمر، نجوم کی تخلیق کا جمال
افلاک کا قرا ر ہے نعلین آپؐ کی
پارس یقیں نہیں ہے یہ ایمان ہے مرا
شاہوں کی تاجدار ہے نعلین آپؐ کی
(تلک راج پارس)

یا نبی دیکھا یہ رُتبہ آپ کی نعلین کا
عرش نے چوُما ہے تلوا آپ کی نعلین کا
آپ کے تلوؤں کی نرمی قلب پر محسوس کی
میں نے جب بھی نقش دیکھا آپ کی نعلین کا
حشر میں جب لوگ چُومیں آپ کی دستِ کرم
سب سے چھُپ کرلوں میں بوسہ آپ کی نعلین کا
روزِ محشر سر پر سورج جب سوا نیزے پہ ہو
ایک نیزے پر ہو سایہ آپ کی نعلین کا
آپ کی خدمت کا مجھ کو کاش مل جاتا شرف
باندھا ہاتھوں سے تسمہ آپ کی نعلین کا
(قمرتاج)

یہ شہرت میں نے پائی ہے نعلینِ نبیؐ کے صدقے میں
خود چل کر گھر تک آئی ہے نعلین نبیؐ کے صدقے میں

گلشن گلشن پھول کھلے ہیں کلیاں ناز کرے ہیں
یہ کیسی چمن آرائی ہے، نعلین نبیؐ کے صدقے میں
(شاعرعلی شاعر)

نعلین پاک کی نسبت اُس عظیم ترین ہستی سے ہے کہ جو اللہ کریم کے بعد کائنات میں سب سے عظیم ہیں۔جن کے احسانات بے شمار، جن کے کرم گستریاں اور فیضان لاتعداد۔جو محسنِ انسانیت اور رحمت اللعالمین۔جن کے نعلین کی ضیا کے محتاج یہ شمس وقمر اور کہکشائیں۔ عشاق کہتے ہیں کہ ہم اُس لوح کو بھی سینے سے لگائے رکھتے ہیں جس پر آپؐ کے نعلین پاک کا نقش بنا ہوا ہے۔سلمان گیلانی نے بھی اچھے اشعار کہے کہ میں اُس خاک کو بھی سر پہ دھروں جس پر محبوبِ ہست و بود نے اپنے پاک قدم رکھے تھے اور جہاں جہاں سے میرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قصویٰ پر بیٹھ کر گزرے تھے۔چند مزید اشعار ملاحظہ کیجیے جن میں نعلین پاک پر خوب صورت فکروخیال کا اظہار کیا گیا ہے:

نعلین کی ضیائے افق تاب کے سبب
بگڑی نبی کواکب وخورشید و ماہ کی (انوارظہوری)

یہ فیض اُن کے ہی نعلینِ نور بار کا ہے
خرامِ ناز سے جن کے ہے کہکشاں روشن
(جہانداد منظر القادری)

اُس ایک لوح کو میں سینے لگائے رکھتا ہوں
وہ جس پہ آپ کا نعلینِ پا بنا ہوا ہے
(تابش کمال)

مِلیں تو اُن کے میں نعلینِ پاک سر پہ دھروں
قدم دھرے تھے جہاں پر، وہ خاک سر پہ دھروں

جہاں جہاں سے وہ قصویٰ پہ بیٹھ کر گزرے
میں وہ غبارِ رہِ تابناک سر پہ دھروں
(سید سلمان گیلانی)

ان کے ہاتھوں کے اشاروں سے شجر پائیں سکوں
ان کی نعلین سے کلیوں کو چٹک ملتی ہے
(حماد سرور)

عدل گستری

چشمِ فلک نے آپؐ جیسا عدل اور انصاف کرنے والا نہیں۔ آپؐ کے دور کے کئی واقعات احادیث میں درج ہیں۔ بلکہ آپؐ کے تربیت یافتہ اصحاب اور اہلِ بیت اطہار کے عدل وانصاف کی بھی مثال دی جاتی ہے۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ مناسب گواہ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی زرہ کا مقدمہ ایک یہودی سے ہار گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کا ایک واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کرنے کی بجائے جعفر بلوچ کی ایک نظم ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معدلت گستری'' ملاحظہ کیجیے:

یہ فتحِ مکہ کے دور کا ایک واقعہ ہے
کہ آلِ مخزوم کے قبیلے کی
فاطمہ نامی عورت نے کر لی چوری
دیا رسولِ خدا نے از روئے شرعِ دین میں یہ فرماں
کہ کاٹ دیں ہاتھ سارقہ کا
سنا یہ فرمان
تو آلِ مخزوم کو ہوا اضطراب لاحق

وہ دوڑے دوڑے جنابِ اسامہؓ کے پاس آئے
کہ پیشِ پیغمبرِ خدا وہ کریں سفارش
اسی طرح کچھ بچاؤ کی ہو سبیل شاید
بدل دے حکمِ سزا کو یہ قال و قیل شاید
مگر اسامہ نے بارگاہِ نبی میں یہ تذکرہ جو چھیڑا
تو رنگِ روئے رسولِ مقبول میں معاً اک تغیر آیا
کہا جنابِ اسامہ سے آپ نے کہ کیا تم
سفارشی بن رہے ہو اللہ کی حدوں میں؟
جنابِ اسامہ اب اس سفارش پر منفعل تھے
وہ عرض کرنے لگے یہ پیغمبرِ خدا سے
مرے لیے ہو دعا کہ مجھ کو معاف فرمائے ربِ کعبہ
دیا رسولِ خدا نے پھر شام کو یہ خطبہ
کہ تم سے پہلے جو قومیں ہلاک اس کا سبب یہی تھا
کہ کرتا اشراف کو چوری
تو چشم پوشی شعار کرتے
غریب اگر کوئی چوری کرتا
تو اس پاداش سے اسے وہ دوچار کرتے
قسم ہے اس ذات کی جو مالک ہے میری جاں کی
کہ فاطمہ دخترِ محمد کرے جو چوری
تو ہاتھ اس کے بھی کاٹ دوں میں
خطاب کے بعد حد ہوئی سارقہ پہ جاری

یہ تھی رسول کریم ﷺ کی معدلت شعاری
مگر وہ عورت بھی تھی عجب حق پرست عورت
خجستہ جاں، پاسدارِ عہدِ الست عورت
کیا نہ محسوس روح پر بار کوئی اس نے
کیا نہ ردِ عمل کا اظہار کوئی اس نے
نہ راہِ سرتاب و طغےٰ پر مزاج آیا
لبوں پہ اس کے نہ شکوہ و احتجاج آیا
جب اس نے تسلیم دل سے شرعِ رسولؐ کر لی
تو حق تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی

چند اور نعت گوؤں کے اِس موضوع پر اشعار ملاحظہ کیجیے:

پھیلی ہے تیری شمعِ رسالت سے روشنی
تجھ سے چلا ہے دہر میں آئینِ منصفی
جب تو نہ تھا ذلیل تھا دنیا میں آدمی
بخشی ہے موت کو تری حکمت نے زندگی
(احسان دانش)

برقیؔ ہر ایک لفظ ہے جس کا پیامِ عدل
قرآن کا پیام انھیں کا پیام ہے
(احمد علی برقی اعظمی)

فہرستِ زمانہ میں نہیں کوئی بھی عادل
تا حشر مگر عدل کا معیار تمہی ہو
(ناصر زیدی)

عشقِ ختم المرسلین

اِس میں کوئی دو آرا نہیں کہ خیر الامم محمد مصطفی ﷺ کے عشق و محبت اور عقیدت و احترام کے کھرے جذبات کے بغیر نعت گوئی محض قافیہ پیمائی ہے۔ اُس میں احساسات کے کھرے اور سُچے موتی نہیں۔ وہ شعریت اور تاثیر سے تہی دامن رہے گی۔ یہ صنفِ ادب ہے ہی محبانِ محمدِ عربیؐ کے لیے۔

یہاں نیست کیا، یہاں بود کیا، جو نہیں ہے اُن کی طلب مجھے
وہی کل بھی تھے سرِ آرزو، وہی آج ہیں، وہ سراجؐ ہیں
(ناصر ملک)

اے برق کوئی کھیل نہیں نعت کا لکھنا
عشاقِ نبیؐ کے لیے یہ صنف بنی ہے
(طلحہ رضوی برق)

جب تک سچی لگن، وارفتگی اور سپردگی نہیں، نعت محض ایک فن کی نمائش ہے۔ سردارِ دو عالم سے مکمل جذباتی وابستگی کے ساتھ ساتھ فکر کی پاکیزگی اور طہارت ضروری ہے۔ عشقِ احمد ہر مسلمان کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز و محور ہے۔ عشاق آپؐ سے وابستہ اشیا، مقامات اور شخصیات سے بھی بے انتہا محبت کرتے ہیں، اِس طرح اُن نسبتوں سے عقیدت کا اظہار، اُن کے مناقب کا بیان بھی نعت کے فکری دائرے میں شمار کیا جاتا ہے۔

رشتہ مرا خدا کی خدائی سے ٹوٹ جائے
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ مصطفی
(ظفر علی خاں)

نبی کے قدموں پہ جس دم غلام کا سر ہو

قضا سے کہہ دو کہ اک لمحہ بھی قضا نہ کرے

(ادیب رائے پوری)

ہمارے عہد کے ایک نعت گو نے کیا ہی عمدہ مضمون پیش کیا ہے۔ وہ نعت گوؤں سے مخاطب ہے کہ تم قلم، دوات اور ورق تو لے آئے ہو مگر میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا نعت کہنے کے لیے یہی اجزا کافی ہوتے ہیں۔

لے آئے تم ورق بھی ، قلم بھی دوات بھی

لیکن بتاؤ کیا یہی سامانِ نعت ہے؟

(عروس فاروقی)

دراصل وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ جب تک سوزِ عشقِ نبی انسان کو جلا نہ ڈالے، روح عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار نہ ہو جائے، جب تک قلب وجاں، مشعلِ جلوہ گاہِ طیبہ پر پروانہ وار نہ لپکیں۔ جب تک محب، آقا کے عشق میں ایک زندانی نہ بن جائے وہ نعت کیسے کہہ سکتا ہے:

میں بھی ہوں اے مرے آقا ترا زندانیٔ عشق

اپنے قیدی کو اسی دام سے باندھے ہوئے رکھ

(قمر رضا شہزاد)

جب تک عشق کا قرینہ نہ آ جائے اور دل مدینہ نہ ہو جائے۔ جب تک نگاہوں میں عشقِ محمد کا اُجالا نہ ہو جائے اور قلب و ذہن میں آتشِ عشق شعلہ زن نہ ہو جائے۔ جب تک قلبِ مضطر ہوش سے پاک اور خلوصِ عشق سے سرشار نہ ہو جائے۔ جب تک محبانِ محمد تشنہ کامِ دیدارِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہو جائیں۔ جب تک روح میں عشقِ خیرالوری ٹھکانہ نہ کر لے اور جب تک ہجر راحت فزا اور دردِ ہجر آزار کی بجائے لذّت آشنا نہ کر دے۔ جب تک ہر اشک دعا اور ہر آہ دوری و مہجوری میں آہِ سوزاں نہ بن جائے اور جب تک اسلوبِ زندگی، حضورؐ کی سیرت و سنت کے سانچے میں ڈھل نہ جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت کا دعویٰ فضول اور جھوٹ

پر مبنی ہے۔ ابوالحسن علی حسنی ندوی ایک جگہ لکھتے ہیں: ''نعت گوئی، عشقِ رسول اور شوقِ مدینہ ہندوستانی شعرا کا محبوب موضوع رہا ہے اور فارسی شاعری کے بعد سب سے بہتر اور سب سے موثر نعتیں اردو ہی میں ملتی ہیں۔''

ہے بلبلِ دل شائقِ گلِ روئے محمد ﷺ
بے دیکھے نہ ٹھہرے گا یہ مضطر کسی صورت
(امداد اللہ مہاجر مکیؒ)

بہ فیضِ عشقِ آقاؐ گھر میں یوں محسوس ہوتا ہے
ہے میرے گھر میں طیبہ کے در و دیوار کی خوشبو
(نسیم سحر)

آہوں میں ڈھل کے ہجر کی گھڑیاں گزر گئیں
سینے پہ میرے دستِ کرم ہو عطا حضورؐ
(جہانداد منظر القادری)

یہ حقیقت ہے کہ حبِ رسولؐ اور حبِ دیارِ رسولؐ، ہمارے نعت گو شعرا کے سب سے بڑے اور اہم موضوعات رہے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا خزانہ اِن ہی دو موضوعات میں ہے۔ کوئی بھی ایسا نعت گو نہیں ہوسکتا جس نے محبت میں درِ حضورؐ پر اشکوں کا نذرانہ پیش نہ کیا ہو۔ یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ وہ ہرگز کامل مسلمان نہیں ہوسکتا کہ جب تک اپنے ماں باپ، آل اولاد، مال و متاع، الغرض اپنی ہر پیاری چیز سے بھی زیادہ رسول اللہ ﷺ کا چاہنے والا نہ بن جائے۔ اِس لیے جب تک کسی شاعر کے دل میں عشقِ نبیؐ کی روشنی نہیں اُترتی وہ نعت کی طرف نہیں آتا۔ ہمارے نعت گوؤں میں البتہ اقبال عظیم، حافظ لدھیانوی، افضل فقیر، مظفر وارثی، طفیل ہوشیارپوری، ساقی گجراتی، عبدالرحمن خالد، قمر یزدانی، عارف عبدالمتین، ریاض حسین چودھری، ماہر القادری، حافظ مظہر الدین، راز کاشمیری، کوثر نیازی، عابد نظامی، راجا رشید

محمود، حفیظ تائب، اثر صہبائی نے عشق ساگر میں ڈوب کر بے مثال نعتیں لکھی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

عشقِ محبوبِ خدا سے ہے جو سینہ روشن
غیرت ِطورِ تجلی ہے وہ سینہ کیا ہے
(حافظ مظہر الدین)

کیا کہوں راز مئے عشق نبیؐ کی لذّت
خم کے خم پیتے ہیں اور تشنہ لبی ہوتی ہے
(راز کاشمیری)

عشقِ بے باک کے دامن میں یقیں کا گوہر
عقل چالاک فقط حدِ گماں تک پہنچی
(اثر صہبائی)

سوز و تپش سخن میں اگر چاہتا ہے تو
عشقِ نبی کی آگ سے تائب پگھل کے آ
(حفیظ تائب)

یا ربِ ذوالجلال ، دعا کو اثر ملے
وقفِ شبِ فراقِ نبیؐ ہوں۔ سحر ملے
(راجا رشید محمود)

عشق میں خلوص وسچائی اِس بات کی دلالت ہے کہ نگاہِ نبیؐ ہر گام انسان کے لیے آسرا بن جاتی ہے۔ عشق میں آنکھ تر ہوتے ہی، جیون کی خشک اور بنجر کھیتیوں پر سحابِ رحمت چھا جاتا ہے۔آپؐ کی یاد میں ٹپکے ہوئے آنسو قیمتی گہر اور موتی بن جاتے ہیں۔ خیال وفکر کو عظمتیں ملتی ہیں اور سخن وری پختہ کاری اور دوام ملتا ہے۔آپؐ کے عشق سے جو بصیرت ملتی ہے، دنیا کا کوئی

علم اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ دل شاہجہاں پوری کے نام ور شاگرد، اپنے عہد کے نام ور شاعر، سہ ماہی ادبی مجلّے ''اقدار'' کے مدیر شبنم رومانی کی ایک بہترین آزاد نظم ملاحظہ کیجیے جس میں اُنھوں نے عشقِ نبیؐ میں ڈوب کر لکھنے کے ثمرات کا ذکر کیا ہے کہ حضور شہِ رسولاں کے عشق سے انسان کی سوچیں، انسان کا قلم، اُس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سب امر ہو جاتے ہیں۔ اُس کے لیے ہر گام کامیابی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ کامرانیاں خود آگر بڑھ کر اُس کے در پر دستک دیتی ہیں۔ اِس مختصر نظم میں روانی اور فصاحت لاجواب ہے۔

جس نے سوچا انہیںؐ
وہ خدا کی قسم
ماورائے زمان وز میں ہو گیا
جس نے لکھا انہیںؐ
اس کا معجز قلم
شہپرِ جبرائیلِ امیں ہو گیا
جس نے چاہا انہیںؐ
اس کی چاہت
بقا کی نگارش ہوئی
اس پہ دن رات پھولوں کی بارش ہوئی
جس نے چاہا انہیںؐ
اس کو چاہا گیا
اس کی دہلیز تک ہر دو راہا گیا

---تمت بالخیر---

اکرم کنجاہی کی گراں مایہ تخلیقی و تحقیقی مسافتیں



شعری مجموعے

۱۔ ہجر کی چتا
۲۔ بگولے رقص کرتے ہیں
۳۔ محبت زمانہ ساز نہیں
۴۔ دامنِ صد چاک
۵۔ شاہِ کونین اکرم (نعتیہ مجموعہ)

تحقیق و تنقید

۱۔ راغب مراد آبادی (چند جہتیں)
۲۔ نسائی ادب اور تانیثیت
۳۔ لفظ، زبان اور ادب
۴۔ غزل کہانی (پاکستان رائٹرز گلڈ ایوارڈ یافتہ)
۵۔ معاصر متغزلین
۶۔ محاسنِ فکر و فن
۷۔ پس جدیدیت: لہجے اور اسلوب
۸۔ غنیمت کے اختصاریے
۹۔ لاشعور سے شعور تک: شاعری
۱۰۔ افہام و تفہیم
۱۱۔ تصریحاتِ نعت
۱۲۔ دبستانِ قلم کے نعت نگار
۱۳۔ معروضات
۱۴۔ نعت گوئی: اسالیب، ہیئت اور موضوعات
۱۵۔ تقسیم ہند کے بعد نعت نگاری
۱۶۔ نعت گوئی: ارتقا اور رجحانات (زیرِ طبع)

فنِ تقریر (کالج ریونی ورسٹی کے طلبا و طالبات کیلئے)

۱۔ اصولِ تقریر
۲۔ فنِ خطابت

ترتیب و تدوین

۱۔ امن و امان اور قومی یکجہتی (دیگر شعرا کی نظموں کا انتخاب)
۲۔ رضیہ فصیح احمد کے افسانوں کا تجزیاتی جائزہ
۳۔ جوہرِ عروض

ادبی جریدہ

سہ ماہی غنیمت (کراچی رگجرات)

پیشہ ورانہ کتب (انگریزی زبان میں)

Internal Audit in Banks

An Insight into the Banking Frauds

اردو سخن

urdusukhan@hotmail.com
nasirmalik.01@gmail.com
https://twitter.com/urdusukhan
https://www.facebook.com/ [illegible]

ISBN
9 789697 431038 >

www.urdusukhan.com ART LAND, Chowk Azam. Distt. Layyah (Punjab) Pakistan